جمادی الاول/جمادی الثانی 1434ھ
اپریل 2013ء

ماہنامہ
المرشد

اللہ
رسول
محمد

خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي (الحدیث)

بہترین ذکر، ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جس سے ضروریات پوری ہوں

حصول رزق کیلئے محنت کرنا، جائز وسائل اختیار کرنا، یہ خود ذکر الٰہی ہے، اطاعت الٰہی ہے۔

حضرت شیخ المکرم
امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

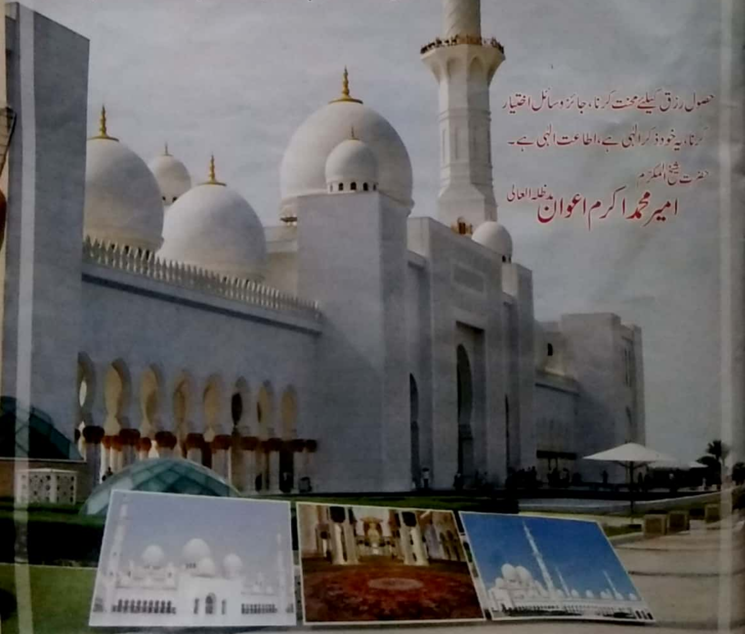

Sheikh Zayed Mosque (Abu Dhabi)

کثرت ذکر

ذکر کی کثرت کا حکم بہت تاکیدی ہے، یہاں تک کہ میدان جنگ میں جاؤ تو اللہ حکم دیتا ہے کہ اِذَالَقِیتُم فِئَۃً جب کسی کافر فوج سے مقابلہ آجائے فَاثبُتُو جم کرلڑو وَاذ کُرُو اللّٰہ اور اللہ کا ذکر لڑتے ہوئے بھی کثرت سے کرتے رہو ادھر لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صوفیا مخلوقات میں سب سے ناکارہ لوگ ہوتے ہیں جبکہ لڑنا تو کام ہی صوفیوں کا ہے۔ جہاد زیب ہی ان لوگوں کو دیتا ہے جن کے دل ذکر الٰہی سے منور ہیں جبکہ دوسرے لوگ، میں دعویٰ سے کہتا ہوں، جن کے دل ذاکر نہیں ہیں، وہ لوٹنے کے لئے جاتے ہیں، وہ جہاد کے لئے نہیں جاتے، وہ کچھ دینے کے لئے نہیں جاتے، اپنے مفادات کے لئے جاتے ہیں۔

یہ دیکھو کتنی الماریاں قرآن مجیدوں سے بھری پڑی ہیں، یہاں تو کوئی فحش گانا نہیں ہے تو یہ قرآن مجید ہماری اصلاح کیوں نہیں کرتا، اس لئے کہ ہمارے دل ذکر الٰہی سے غافل ہوگئے اور ہم نے بہانے ڈھونڈ لئے کہ خیر ہے جی فلاں کام کرلو، وہ بھی ذکر کا متبادل ہے۔ میرے بھائی! ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ مجھ سے یہ اختلاف رکھے، جس طریقے سے آپ ذکر کرتے ہیں، ہم اس طریقے سے نہیں کرتے ٹھیک ہے، مانا بھائی! لیکن یہ کہنا آپ کا کہ ہم ذکر ہی نہیں کرتے، یہ خودکشی ہے اور اس کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ قرآن کا انکار ہے، ذکر قلبی مومن مرد اور مومن عورت کو الگ الگ کرکے بھی کہا کہ یہ نہ ہو کہ صرف مردوں کے لئے فرض سمجھا جائے۔ وَالذّٰاکِرِینَ اللّٰہَ کَثِیرًا وَّالذّٰاکِرَات کثرت سے ذکر کرنے والے مرد، کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُم مَغفِرَۃً ان لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔ اس لئے کہ انہیں کام کرنا، نیک عمل کرنا نصیب ہی تب ہوگا جب وہ ذکر کریں گے۔

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

اپریل 2013ء جمادی الاول/جمادی الثانی 1434ھ

جلد نمبر 34 شمارہ نمبر 08

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	2
اداریہ	ابوالاحمدین	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
طریقہ ذکر		6
ماہانہ اجتماع	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	7
گلہائے عقیدت	حافظ تاج ولی تاج	14
"حیات جاوداں"	ابوالاحمدین	15
اکرم التفاسیر	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	21
مسائل السلوک	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	28
سوال و جواب	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	33
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	37
بچوں کا صفحہ	اے خان	46
کانفرنس بعثت رحمت عالم ﷺ ایوان اقبال میں	ڈاکٹر تنویر حسین	50
QUESTIONS AND ANSWERS	Ameer Muhammad Akram Awan	53
A LIFE ETERNAL	Abul Ahmadain Translation : Naseem Malik	56

بدل اشتراک

پاکستان 450روپے سالانہ، 235روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100ریال
برطانیہ یورپ	135اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	160امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	160امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
PH: 042-35180381 , Email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph: 0543-562200 , FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کررہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم **اسرار التنزیل** سے اقتباس

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُم .... وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ 22-21)

انسان کی فضیلت کا سبب معرفت الٰہی ہے

انسان کو یہ استعداد اور قوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی معرفت اختیار کرے۔ باقی ساری مخلوق جو تکوینی طور پر اللہ کی اطاعت کر رہی ہے اسے یہ استعداد نصیب نہیں۔ سورج ہو یا چاند، زمین ہو یا موسم اور ہوائیں حتیٰ کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی اطاعت پر کمربستہ ہے۔ مگر اطاعت صرف حکم کی کرتے ہیں، حکم دیتے جاتے ہیں اور وہ بجالاتے ہیں ان کے پاس سوائے تعمیل ارشاد کے چارہ نہیں۔ مگر اس کے باوجود حاکم کیسا ہے اور اس کی صفات کیسی کامل۔ اس کی ذات کیسی جمیل اور مصدر حسن وکمال ہے۔ یہ وہ نہیں جانتے اور نہ انہیں اس کے جاننے کی طاقت ہی ملی ہے۔ یہ استعداد نبوت سے تعلق رکھتی ہے جس سے صرف انسانیت کو سرفراز فرمایا گیا ہے۔

انسان کی ذات دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک میں تو اس کا حال ان سے مختلف نہیں مثلاً پیدا ہونا، مرنا، صحت و بیماری، قد کاٹھ، شکل وصورت، نر یا مادہ ہونا، امیری وغریبی۔ یہ سب چیزیں اس کے بس میں نہیں۔ ان کے ساتھ یہ بھی تقدیر کے دھارے میں بہتا رہتا ہے۔ مگر اس سب کے ساتھ اسے ایک خاص ذوقِ جمال ودیعت ہوا ہے اور اس کی تکمیل کیلئے مختلف اشیاء کو حاصل کرنے کا اختیار بھی۔ مکان، لباس اور غذا تک میں اس کا یہ جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ جہاں اس کے سامنے دنیا کا حسن بکھیر دیا ہے وہاں اسے معرفت ذات کی استعداد بھی دی ہے۔ اگر یہ اس کو کھو دے تو اس کی ساری طلب دنیا کے حسن کو پانے میں صرف ہوتی ہے لیکن اگر یہ اس نقصان سے بچ جائے اور اسے کوئی شمہ معرفت باری کا نصیب ہو تو پھر سارے جہان کے حُسن کو اس پہ نثار کر دیتا ہے۔ اس حالت کو اس شعر میں خوب بیان کیا ہے۔

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یوں کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

جمہور کی آواز

جمہوریت کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ اس میں ابھی کئی مراحل درپیش ہیں لیکن نگران حکومت کی تشکیل میں اختلافات جس طرح کھل کر سامنے آئے وہ ایک طرفہ تماشا تھا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ عوام تو کسی شمار قطار میں نہیں ان پر جو طبقہ مسلط ہو جائے وہ ان کی نکیل جس طرف چاہے موڑ دے۔ اب ان کی نکیل کس ہاتھ میں ہوگی؟ یہ آنیوالا وقت بتائے گا۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان سے کراچی کے دورہ میں ایک صحافی نے سوال کیا' جمہوریت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ جمہوریت کی تعریف تو آج کی مجبوری بن چکی ہے لیکن کبھی کبھی اس طرح کے سوال بھی پوچھ لئے جاتے ہیں' خاص طور پر جب معلوم ہو کہ یہ صاحب مغربی سوچ کے غلام نہیں۔ توقع کے برعکس اس کا واسطہ خود ایک سوال سے پڑ گیا' کیا جمہوریت میں کہیں جمہور بھی نظر آتا ہے؟ صحافی کی زبان سے بے اختیار نکلا' "نہیں"۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

ملک بھر کے انتخابی حلقوں میں ووٹوں کی تقسیم کا تجزیہ کیا جائے تو وہ امیدوار کامیاب قرار پاتا ہے جس کے اپنے ووٹ فرداً فرداً دوسروں امیدواروں سے تو زیادہ ہیں لیکن باقی سب امیدواروں کے اجتماعی ووٹوں کی تعداد اس کے ووٹوں سے بڑھ جاتی ہے۔ گویا اس حلقہ میں جمہور کی اکثریت نے اس کے خلاف ووٹ دیا ہے لیکن جمہور کا نمائندہ وہ ہے جس نے کم ووٹ حاصل کئے۔ معدودے چند انتخابی حلقوں کو چھوڑتے ہوئے یہی حال تمام عوامی نمائندوں کا ہے جن کے خلاف جمہور کی اکثریت اظہارِ رائے کر چکی ہے تو اس جمہوریت میں جمہور کہاں! یہ وہ جمہوریت ہے جس میں جمہور نہیں اور ایوانِ نمائندگان میں بلند ہونے والی آواز جمہور کی آواز نہیں۔ کیا اپنی تنخواہوں اور الاؤنسز میں اضافے اور دوام بخشنے کا بل اور وہ بھی آخری سیشن کے آخری دن! کیا یہی جمہور کی آواز ہے؟ کیا ان نمائندوں نے کبھی سوچا کہ جمہور کو کس طرح جمہوریت میں شامل کیا جائے؟ ماضی میں ایک سیاسی جماعت کی طرف سے متناسب نمائندگی کی تجویز سامنے آئی تو اس پر وہ لے دے ہوئی کہ اس کے بعد جمہوریت کی اصلاح کے لئے کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ جمہوریت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا دستورِ زمانہ ہے لیکن تنقید؛ ہو تو جمہوریت شجرِ ممنوعہ۔ جس طرح دنیا بھر کو اس وقت مختلف مافیا کنٹرول کر رہے ہیں' کیا اس نظام کی پشت پر کسی مافیا کا تو ہاتھ نہیں؟

پاکستان میں بھی سرگرم مافیا گروپس کا تذکرہ سپریم کورٹ تک میں کیا جا رہا ہے۔ لینڈ مافیا' بھتہ مافیا' قبضہ مافیا' انتہا پسند اور دہشت گرد مافیا' یہ ٹارگٹ کلنگ ان مافیا کے مابین جنگ ہی تو ہے۔ بعض ٹی وی چینلز اب "سیاسی مافیا" کا بھی تذکرہ کرنے لگے ہیں اور حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو شاید یہی مافیا باقی سب مافیا کے لئے چھتری بن چکا ہے۔ وہ جمہوریت جس میں جمہور نہیں' خود ایک مافیا ہے جس کی رگِ حیات خونِ جمہور سے وابستہ ہے اور چمک دمک ملکی وسائل سے قائم۔ اگر یہ وسائل کم پڑ جائیں تو جمہور پر بیرونی قرضوں کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے لیکن عوام سے پوچھنے کی ضرورت ہے نہ آوازِ جمہور کی شنوائی۔ جناب فخر الدین جی ابراہیم کی مسلمہ شہرت اور الیکشن کمیشن کی فعالیت کو دیکھتے ہوئے قوم نے اب ان سے توقعات وابستہ کر لی ہیں کہ شاید حالات بہتر ہو سکیں۔ اللہ کرے ایسا ہو سکے لیکن طریقہ علاج وہی مغربی جمہوریت ہے جس کی اصلاح صرف پیوندکاری سے ممکن نہیں۔

کیا یہ مغربی جمہوریت مشرف بہ اسلام ہو سکتی ہے؟ اب جمہور کو اپنی آواز بلند کرنا ہے کہ انہیں اپنے تحفظ کے لئے کون سا نظام چاہیئے۔ کیا خالصتاً اسلام چاہیئے جو پوری انسانیت کی سلامتی کا ضامن ہے۔ اسلام جس نے کئی صدیوں تک جمہور کی جان و مال اور عزت کو تحفظ دیا اور آج بھی یہ جس شکل میں جہاں کہیں نافذ ہے' دنیا اس کے ثمرات دیکھ رہی ہے۔ اب ہر ایک مافیا کا طوق گلے سے اتار کر صرف ایک اللہ کی غلامی اختیار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ورنہ اس زہریلے پھول کے کانٹے چنتے ہوئے نسلیں بیت جائیں گی۔

ابوالاحمدین

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردسفر	نشان منزل
کون سی ایسی بات ہوئی ہے	سوچ سمندر
متاع فقیر	آس جزیرہ	دیدہ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کہیے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضان نظر ہے۔ اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا"۔

فیضانِ نظر، متاعِ فقیر

غزل

جس بات کا چرچا ہے سر بزم رقیباں
وہ بات تو اس سارے فسانے میں نہیں ہے

ہم سے تو پھریں لاکھوں تری بزم کے طالب
تجھ سا تو کوئی سارے زمانے میں نہیں ہے

دل پر جو لگے داغ تو وہ کیسے دکھائیں
ہے لطف چھپانے میں، دکھانے میں نہیں ہے

آنکھوں میں اتر کر ہی وہ پالیں گے حقیقت
جو بات ہے اس میں وہ بتانے میں نہیں ہے

وہ چہرے سے پڑھ لیں گے مرے دل کی کہانی
اک کیف سا اس میں ہے، سنانے میں نہیں ہے

آ جوڑ لیں پھر سے وہی ٹوٹا ہوا رشتہ
جو رنگ ہے جڑنے میں ہٹانے میں نہیں ہے

کچھ تم ہی کہو کیسے کٹیں ہجر کے لمحات
آجاؤ کبھی لطف ستانے میں نہیں ہے

سیماب کی باتوں میں نہ آنا دل ناداں
پاگل کوئی اس سا بھی زمانے میں نہیں ہے

"کونسی ایسی بات ہوئی ہے" سے اقتباس

اقوالِ شیخ

1۔اس بات کا ڈر کہ جو تعلق اللہ کریم سے مجھے نبی کریم ﷺ کے طفیل نصیب ہوا ہے اس میں کہیں بال نہ آ جائے اسے پرہیزگاری کہتے ہیں۔

2۔دنیا وہ شمار ہوتی ہے جس کے حصول میں اللہ کی نافرمانی کی جائے جس کے استعمال میں اللہ کی نافرمانی کی جائے جو اللہ کریم سے غافل کر دے۔

3۔ولایت یہ ہے کہ توحید باری پر، تمام ضروریات دین پر یقین ہو اور تقویٰ نصیب ہو یعنی عمل اس بات پر گواہ ہو کہ جو وہ کر رہا ہے، اللہ کے روبرو کر رہا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں کر رہا ہے۔

4۔برکات نبوت ہی وہ قوت بہم پہنچاتی ہیں کہ بندہ حق کو نہ صرف پہچان لیتا ہے، اس پر کاربند ہو جاتا ہے بلکہ اسے سربلند بھی کرتا ہے۔

5۔بے حیائی تو فعل حرام ہے لیکن بے حیائی دیکھنا بھی حرام ہے۔

6۔محبت طبعیہ کمزوری نہیں بلکہ انسانی وصف ہے۔ ہاں طبعی محبت میں کوئی غیر شرعی کام نہ کرے۔ اللہ کی محبت کو غالب رکھے۔

7۔اللہ اللہ کرنے سے ایمان نصیب ہوتا ہے، توفیق اطاعت نصیب ہوتی ہے اور اپنی کمزوریوں پر قابو پانے کی قوت نصیب ہوتی ہے۔

8۔ذکر قلبی کے نتیجے میں ایک مضبوط ایمان نصیب ہوتا ہے اور مضبوط ایمان عمل صالح کی طرف لے جاتا ہے۔

9۔نعمت کا قدر شناسی سے بڑا گہرا تعلق ہے، ناقدری سے نعمت ضائع ہو جاتی ہے۔

10۔تقویٰ دراصل دل کے اس حال کا نام ہے جہاں اسے جنون کی حد تک اللہ کی رضا کا خیال ہو۔

11۔اہل اللہ کو صاحب حال اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حالات پر حاوی ہوتے ہیں اوقات پر حاوی ہوتے ہیں۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

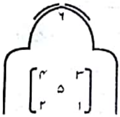

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ماہانہ اجتماع 3 مارچ 2013ء

ذکر دوام

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَo اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ [3:190] اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ [3:191](ال عمران)

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُo مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وہ لوگ جو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، کسی بھی حال میں غافل نہیں ہوتے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ذکر الٰہی سے تفکر فی الخلق پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی مخلوق اللہ کی کائنات زمین و آسمان، ہر چیز کا آنا جانا، مسلسل تخلیق کا ایک عمل جاری ہے۔ چیزیں عدم سے وجود میں آرہی ہیں اور وجود سے فنا کو جارہی ہیں۔ پھر اسے یقین ہو جاتا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اللہ کریم اتنی بڑی کائنات اور اتنا بڑا نظام اور چیزوں کا آنا جانا آپ نے فضول پیدا نہیں فرمایا سُبْحٰنَكَ تیری ذات پاک ہے۔ کسی فضول کام کا تصور تیری ذات سے نہیں کیا جا سکتا ہر کام کا ایک مقصد ہے، نتیجہ ہے۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ جب یہ سارا نظام سمجھ میں آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا نتیجہ بھی ہوگا۔ نافرمانی کا نتیجہ دوزخ ہوگا۔ اطاعت الٰہی کا نتیجہ قرب الٰہی ہوگا، تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلتا ہے کہ اے اللہ مجھے آگ کے عذاب سے پناہ عطا فرما۔

یوں تو جو بھی کام شریعت کے مطابق کیا جائے وہ عملاً ذکر الٰہی ہے۔ اس کے ساتھ اللہ کی یاد وابستہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بندہ شریعت کے مطابق کام کرتا ہے۔ جس میں پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے اعمال میں کتنا ذکر الٰہی ہے۔ کتنے کام ہم دن میں ایسے کرتے ہیں جن میں اللہ کی یاد موجود ہوتی ہے۔ اس طرح نہیں کرنا، اس طرح کرنا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا حکم ہے۔ ہم جو کچھ زبانی کہتے ہیں اس میں سے ہر صحیح بات ذکر الٰہی ہے۔ اگر بندہ اس نظر سے غلط بات نہیں کرتا کہ اللہ کا حکم ہے کہ بات درست کرو، درست کرتا ہے تو ذکر الٰہی ہے۔ پھر نماز، روزہ، تلاوت، تسبیحات، اذکار زبانی سارے ذکر الٰہی ہیں۔ جہاں جہاں شریعت ہاتھ سے چھوٹتی ہے وہاں سمجھیں کہ ذکر رہ گیا۔ حضرت مہر علی شاہ صاحب کی یاد میں لکھی گئی ان کی سوانح ہے۔ تو اس میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک آدمی نے کوئی مسئلہ ذبح کے بارے پوچھا جانور کی حلت و حرمت کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے تو حلال ہے۔ اللہ کا نام لئے بغیر اگر جانور مر جائے تو حرام ہے، مردار ہے۔ تو پھر فرمانے لگے، ایک جانور اپنی ذات میں حلال

ہے لیکن اگر اس کا دم بھی اللہ کے نام کے بغیر نکل جاتا ہے تو مردار ہو جاتا ہے، حرام ہو جاتا ہے حالانکہ جانور مکلف تو نہیں ہے اور انسان مکلف ہے تو اس کا جو دم اللہ کے نام کے بغیر نکلتا ہے۔ وہ کیسا ہوگا؟ اور پھر فرمایا کہ اس لئے صوفی کہتے ہیں "جو دم غافل سو دم کافر" پھر اس کے بعد باری آتی ہے ذکر قلبی، خفی کی اور ذکر دوام ذکر قلبی ہی ہو سکتا ہے باقی کسی ذکر میں دوام نہیں، نہ کاموں میں دوام ہے نہ باتوں میں دوام ہے۔ بندہ سو جائے گا، خاموش ہو جائے گا، بیہوش ہو جائے گا، کام چھوٹ جائے گا بات بھی چھوٹ جائے گی، ذکر قلبی نصیب ہو جائے تو جب تک قلب میں دھڑکن باقی ہے، تب تک وہ ذکر کرتا ہی رہتا ہے۔ بندہ سو جائے۔ بے ہوش ہو جائے۔ زندہ ہے دل میں دھڑکن باقی ہے اور دھڑکن میں اللہ کا نام باقی رہتا ہے، بلکہ ذکر قلبی کی خاصیت یہ ہے کہ ہر باڈی سیل ذاکر ہو جاتا ہے اور ایک وجود میں دس کھرب سیل ہوتے ہیں۔ اگر قلب ذاکر ہو جائے تو وجود ایک لمحے میں دس کھرب بار اللہ کا نام لیتا ہے۔ اور یہ اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے یہ ایسی نعمت ہے کہ جس کیلئے اللہ کے بندوں نے زندگیاں صرف کر دیں اس کی تلاش وجستجو میں۔ وہ زمانہ پیدل سفروں کا تھا۔ لیکن لوگوں نے زمین کی طنابیں کھینچ دیں اور اس کی تلاش میں دنیا کے ممالک میں پھرے لیکن انسانی مزاج بھی عجیب ہے۔ کوئی بھی چیز کتنی بھی قیمتی ہو اس کے دل میں ہو اگر آرام سے مل جائے، گھر بیٹھے مل جائے، مفت میں مل جائے تو اس کی وہ قدر نہیں رہتی۔ جس شئے کے لئے اسے بھاگ دوڑ کرنی پڑے، محنت مشقت کرنی پڑے، وقت لگانا پڑے اور بڑی مشکلوں سے حاصل ہو تو اسے بہت مضبوطی سے تھام لیتا ہے۔ اس لئے آپ صوفیاء کے حالات پڑھیں۔ انہوں نے کتنی محنت کی، ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ ہم ایسے دور میں آگئے اور اللہ نے ایک ایسی ہستی سے ملا دیا جس نے یہ نعمت ہمیں مفت میں بانٹی بلکہ لٹائی۔ آپ روئے زمین کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہاں کہاں کتنے لوگوں کو یہ دولت نصیب ہوئی۔ یہ بہت کم یاب نعمت ہے۔ میں نے اس پر بات اس لئے شروع کی ہے کہ محنت تو خیر اس دور میں ہم نے کیا کرنی ہے؟ ساری محنت تو اس دنیا کیلئے رہ گئی ہے، رات دن بھاگ بھاگ کر مر رہے ہیں، دم توڑ رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کریم کا ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (سورۃ ھود: آیت نمبر 6) جو مخلوق اللہ نے پیدا فرمائی ہے۔ کوئی ذی جان زمین پہ ایسا نہیں جس کے رزق کا ذمہ اس نے خود نہ لیا ہو، وہی رازق ہے اور وہی نصیب ہوتا ہے جو اس نے ہمارے حصے میں مقرر کر دیا ہے آدمی بھاگ بھاگ کر دولت، جائیداد جمع کرتا رہتا ہے۔ اس کے حصے میں وہی آتا ہے جو اللہ نے مقرر کر دیا ہے، باقی سارا چھوڑ چھاڑ کر چلا جاتا ہے تو جس کا ذمہ اس نے لیا۔ اس کی فکر ہمیں رات دن رہتی ہے۔ جو ذمہ داری ہماری لگائی تمہارا کوئی لمحہ میرے ذکر سے خالی نہ جائے۔ جو ہماری اپنی ذمہ داری ہے اس کی ہمیں فکر نہیں۔ اور جس کی ذمہ داری اللہ کریم نے لے لی ہے۔ اس کیلئے ہم سرگرداں ہیں، حصول رزق کیلئے محنت کرنا، جائز وسائل اختیار کرنا یہ خود ذکر الٰہی ہے۔ اطاعت الٰہی ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جو کرتے کچھ نہیں اور بڑے دولت مند ہیں، کسی کو پوری دنیا کی حکومت بھی مل جائے وہی ذرہ اس کے وجود کا حصہ بنے گا جو اس کے نصیب میں ہے۔ باقی سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور چھوڑ چھاڑ کر چلا جائے گا۔ تو میری گزارش یہ ہے کہ دنیا کے ہر کام سے وقت نکالئے جو بھی دن رات ہماری مصروفیات ہیں ان میں ذکر کو اولیت دیجئے۔ خصوصاً پرانے احباب کو میں نے دیکھا کہ اکثر لطائف چھوڑ دیتے ہیں کہ میرے تو اب اتنے مراقبات ہو گئے ہیں مجھے لطائف کی کیا ضرورت ہے؟ میرے بھائی عمارت اگر ہزار منزلوں تک پہنچ جائے تو بھی وہ بنیاد سے بے نیاز نہیں ہوتی۔ کوئی مبتدی ہے یا منتہی، لطائف کی بنیادی ضرورت اپنی جگہ وہیں قائم ہے۔ بنیاد کو

مضبوطی کی ضرورت ہے کھوکھلا ہونے کی نہیں۔ اس موضوع پر ایک مرتبہ بات ہو رہی تھی تو حضرتؒ نے کسی ساتھی سے فرمایا جو صاحب کشف تھا خواجہ اجمیریؒ نے بڑی عمر پائی ہے ایک سو بیس برس میں ان کا وصال ہوا ذرا ان سے پوچھیں تو سہی انہوں نے کتنا عرصہ لطائف، اذکار اور معمولات چھوڑ دیئے تھے۔ لفظ معمولات استعمال فرمایا کہ کتنا عرصہ ان سے معمولات چھوٹ گئے تھے، انہوں نے فرمایا مرض الموت میں چار دن میری حالت ایسی تھی کہ مجھ سے لطائف رہ گئے۔ حالانکہ ان کے بہت بلند منازل تھے۔ تو اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ کتنی اہمیت ہے لطائف کی اور بنیاد کی۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جن ساتھیوں کے چند مراقبات ہو جاتے ہیں تو پھر وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں لطائف کی ضرورت نہیں ہے۔ یا کئے بھی تو بہت کم جیسے نہ کئے۔ تو یاد رکھیں! لطائف بنیاد ہیں اور مبتدی اور منتہی سب کیلئے ضروری ہیں۔ حضرت جیؒ کے وصال تک، جو اس وقت کے ساتھی ہیں سب کو پتہ ہے کہ خود لطائف کروایا کرتے تھے۔ بیٹھ کر خود کرتے تھے۔ تو میری گزارش یہ ہے کہ تمام ساتھیوں کو خواہ وہ آج آئے ہوں، خواہ ان کی عمر ذکر میں بسر ہوگئی ہو۔ یہ تاکید کی جاتی ہے کہ لطائف پوری توجہ سے کریں اور انہیں چھوڑیں نہیں، جب لطائف چھوٹتے ہیں تو جتنے بھی مراقبات ہوں ان میں کمزوری آتی ہے جب مراقبات میں کمزوری آتی ہے تو عبادات میں کمزوری آتی ہے۔ عبادات میں کمزوری آتی ہے تو کردار میں کمزوری آتی ہے۔ آدمی غلط کام کرنے لگتا ہے۔ انسان ہے اس سے غلطی تو ہو سکتی ہے لیکن ذکر قلبی احساس کو زندہ رکھتا ہے، احساس کو مرنے نہیں دیتا۔ غلطی ہوتی ہے تو غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ توبہ پر مجبور کرتا ہے اور رجوع الی اللہ کی توفیق ملتی ہے اور یہ بہت بڑی سعادت ہے، بتقاضائے بشریت غلطی ہو جاتی ہے لیکن بندہ فوراً رجوع الی اللہ کرتا ہے، توبہ کرتا ہے، اللہ سے مغفرت چاہتا ہے اور اللہ بہت کریم ہیں معاف فرما دیتے ہیں تو یہ تھوڑی سی سستی جسے ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں کہ میرے لئے تو لطائف کی ضرورت نہیں، میں نے بہت سے ساتھیوں کو دیکھا ہے کہ جب مراقبات ہو جاتے ہیں تو لطائف کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یاد رکھیں! یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ ہر ساتھی کو تاکیداً لطائف ضرور کرنے چاہئیں اور جتنا وقت ہو سکے ان پر وقت لگانا چاہیے۔ منازل بالا کی بنیاد بھی یہ ہوتے ہیں اور منازل بالا میں ترقی بھی انہی سے ہوتی ہے۔ اللہ کریم کا ایک عجیب نظام ہے۔! رات اور دن میں توازن قائم رکھتا ہے۔ خشکی اور تری کا توازن قائم رکھتا ہے، بہار اور خزاں کا توازن قائم رکھتا ہے، گرمی اور سردی کا توازن قائم رکھتا ہے۔ اگر ہمیشہ گرمی ہوتی تو بھی مشکل پیدا ہو جاتی، اگر ہمیشہ سردی ہوتی تو بھی مشکل ہو جاتی۔ اسی طرح کائنات میں نیکی اور بدی کا توازن بھی قائم رہتا ہے۔ یہ مراقبات جو آپ کو کرائے جاتے ہیں ان کی تلاش میں لوگوں نے صدیاں اور عمریں گزار دیں۔ تلاش کئے اور پھر انہیں کوئی شئے کوئی نعمت جو اللہ کو منظور تھی نصیب ہوئی، ملکوں میں پھرے، در در پر گئے، زندگیاں خرچ کر دیں، رب کریم نے توازن جو قائم رکھنا ہوتا ہے اور یہ دور تو انتہائی گمراہی کا اور برائی کا دور ہے۔ آدمی تصور نہیں کر سکتا کہ انسانوں میں اتنا گھناؤنا پن اور اتنی ذہنی پستی اور اتنی عملی پستی آسکتی ہے۔ جو آجکل ہے اب اس کے مقابلے میں اس نے اس نعمت کو جو بہت کم یاب تھی عام کر دیا۔ اور یہ ہماری عجیب خوش قسمتی ہے کہ ہم تو شاید ایک لطیفے کے بھی اہل نہ تھے۔ لیکن اس نے اپنے کرم سے ایسی جگہ بٹھا دیا۔ ادارے میں بیٹھ کر دنیا بھر میں (ROUND THE GLOBE) ذکر ہو رہا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ آپ ان لوگوں کی سوانح پڑھیں یہ بہت کم یاب نعمت تھی۔ بڑی تلاش کے بعد ملتی تھی۔ حضرت جیؒ کے محلے باہر ایک چھوٹا سا پرانا قبرستان ہے تو شروع شروع میں احباب جب جاتے مشاہدات ہوتے تو حضرتؒ برزخ میں ارواح سے کلام کرنا سکھا تے

برزخ کی زبان اپنی ہے اس کا انداز اپنا ہے عجیب بات ہے دنیا میں بے شمار زبانیں ہیں کسی مرنے والے کی کوئی زبان ہے، دوسروں سے وہ آشنا نہیں کسی کی کوئی ہے لیکن برزخ میں سب کی زبان ایک ہی ہو جاتی ہے۔ جو کچھ مافی الضمیر ہوتا ہے وہ دوسرے پر منتقل ہو جاتا ہے۔ حضرت جیؒ باقاعدہ بطور فن سکھایا کرتے تھے۔ اس پرانے قبرستان میں ایک پرانی کچی قبر تھی۔ گرداگرد چھوٹی سی کچی حویلی بنی ہوئی تھی تو ڈھیری سا قبرستان تھا لوگ کہتے تھے "ڈھیری والا فقیر"۔ تو شروع شروع میں حضرتؒ احباب کو وہاں لے جاتے اور ان بزرگوں سے کلام کراتے برزخ میں کلام کرنے کا طریقہ سمجھاتے اور بھی بہت سی چیزیں تھیں جو ہم نے چھوڑ دیں ہیں کہ اب لوگوں میں وہ استعداد نہیں رہی۔ اگر یہ چیزیں عام کی جائیں تو لوگ قبروں پر ہی بیٹھے رہیں اور اسی میں لگے رہیں اور گمراہ ہو جائیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرینگے۔ چونکہ یہ بہت نازک کام ہوتا ہے آپ بات کرتے ہیں جواب وہ صاحب قبر دے رہا ہے یا شیطان القاء کر رہا ہے اس میں تمیز کرنا اسے سمجھنا اسے جاننا بڑا نازک سا معاملہ ہوتا ہے تو اس لئے میں نے بہت سی چیزیں ترک کر دی ہیں حضرتؒ نے بھی آخری عمر میں یہ چیزیں ترک کر دی تھیں جب عام لوگ سلسلہ میں آگئے تو یہ چیزیں چھوڑ دیں جب دو چار لوگ تھے تب سکھاتے تھے ارواح سے بات کرنا جمادات سے بات کرنا مراقبہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا یہ چیزیں اب چھوڑی ہوئی ہیں اور بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں۔

ان بزرگوں کی تاریخ حضرتؒ بتاتے تھے کہ تلہ گنگ کے رہنے والے تھے اللہ اللہ کی جستجو میں تلاش میں دہلی تک گئے دہلی میں شیخ نصیب ہوا۔ سولہ سال انہوں نے زیر تربیت رکھا فنافی الرسول تک مراقبات کرائے اور اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس کے آگے میں تمہیں نہیں لے جا سکتا اب تم جا سکتے ہو جو میں کر سکتا تھا وہ میں نے کر دیا لیکن ایک بات یاد رکھنا واپس اپنے لوگوں میں مت جانا۔ واپس انہی لوگوں میں جہاں سے آئے ہو جاؤ گے تو وہی باتیں جو برادری اور رشتہ داری کی اور دوستی اور دشمنی کی اور اچھے اور برے کی اور مقابلے کی ہیں وہی شروع ہو جائیں گی اور یہ نعمت ضائع ہو جائے گی۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ واپس تو آ گئے لیکن اپنے گھر کو نہیں گئے، یونہی سیاحی میں یہاں وصال ہوا اور یہیں دفن کر دیئے گئے۔

بخاری شریف میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ فرمایا: بنی اسرائیل کی پہلی قوموں میں کوئی شخص تھا سخت مزاج آدمی تھا لڑتا جھگڑتا رہتا تھا ننانوے بندے قتل کر دیئے۔ ایک ایک دو دو کر کے قتل ہوتے رہے۔ جب ننانوے تک تعداد پہنچی تو اسے احساس ہوا کہ میں نے بڑا ظلم کیا۔ میں نے اللہ کی مخلوق کو مار دیا ہے۔ مجھے توبہ کرنی چاہئے کسی عالم کے پاس جا حاضر ہوا ساری بات ان سے عرض کی انہوں نے کہا کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ تو اتنا ظالم شخص ہے کہ ننانوے بندے قتل کر کے اب توبہ تلاش کرتا پھرتا ہے تجھے شرم نہیں آتی ایک بندے کا قتل اتنا بڑا جرم ہے ساری انسانیت کا قتل ہے اور تو ننانوے بندے قتل کر کے توبہ تلاش کرتا پھرتا ہے۔ انہوں نے اسے سخت سست کہا اس کا مزاج ہی ایسا تھا اس نے کہا چلو توبہ کا تو کوئی راستہ نہیں۔ ننانوے تو نہ رہیں سو تو ہو جائیں۔ اس نے مولانا کو بھی قتل کر دیا کہ بخشا تو جانا نہیں ننانوے پہ کون مار کھاتا رہے سو تو ہوں۔ لیکن وہ جو اندر خلش پیدا ہو چکی تھی، توبہ کی آرزو جنم لے چکی تھی وہ نہ گئی تو پھر کسی اللہ والے کے پاس پہنچ گیا۔ عالم ربانی کے پاس پہنچ گیا۔ تو انہوں نے فرمایا: کہ بندہ کتنے بھی جرم کر لے بندے کے گناہ رحمت الٰہی کو عاجز نہیں کر سکتے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے گزشتہ پر توبہ کرو اور آئندہ کیلئے چھوڑ دو اور اللہ کا نام لو انہوں نے اسے توبہ کروائی اور اللہ اللہ سکھائی۔ اور فرمایا: دیکھو واپس اپنے لوگوں میں نہ جانا فلاں ایک بستی ہے جہاں لوگ اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اللہ والے لوگ ہیں۔ نیک لوگ ہیں۔ ان کے پاس چلے جاؤ۔ واپس بندہ جب اپنے لوگوں

میں جاتا ہے تو پھر وہ حالات رشتہ داریاں، برادریاں، دوستیاں، دشمنیاں وہ سب سامنے آجاتی ہیں۔ حالات بندے کو بہالے جاتے ہیں۔ اور پھر برائی میں چلا جاتا ہے تو وہ ان کے پاس سے نکل کر اس بستی کی طرف چل پڑا فرماتے ہیں راستہ میں موت آگئی جب موت آئی تو فرشتے دوزخ کے بھی آگئے روح قبض کرنے کیلئے، لے جانے کیلئے اور جنت کے بھی آگئے دوزخ والوں نے کہا یہ تو ہماری آسامی ہے۔ جنت والوں نے کہا یہ تو توبہ کر چکا، اس کا تمہارے ساتھ کیا تعلق؟ دونوں نے عرض کی بار الہا اس کا فیصلہ تو ہی فرما۔ دوزخ والے کہنے لگے یہ سو بندوں کا قاتل ہے یہ تو ہماری پکی آسامی ہے۔ جنت والوں نے کہا بھئی توبہ کر چکا بات ختم ہوگئی اسے ہم لے جائیں گے۔ سب نے مل کر دعا کی بار الہا تو فیصلہ فرما۔ اللہ کریم کی عجیب قدرت ہے۔ بڑا کریم ہے۔ اس نے کہا بھئی ایسا کرو زمین کی پیائش کرلو۔ اگر برے لوگوں کی آبادی سے دور اور نیکوں کے قریب ہے تو جنت والے لے جائیں اور اگر نیکوں سے دور اور بُروں کے قریب ہے تو دوزخ والے لے جائیں۔ فرشتوں کو تو پیائش پر لگا دیا اور خود زمین کو حکم دیا کہ نیکوں کی طرف سے سمٹ جا۔ ادھر سے دور ہو جا۔

تو جب یہ بزرگ اللہ اللہ سکھایا کرتے تھے تو لوگوں سے گھر چھوٹ جاتے تھے۔ کاروبار چھوٹ جاتے تھے۔ تنہائیوں میں بیٹھتے تھے، رات دن ذکر کرتے تھے۔ شب و روز اس میں بسر ہوتا تھا تو جب جا کر کسی کو چند مراقبات یا ذکر قلبی یا ذکر الٰہی نصیب ہوتا تھا تو کتنی عجیب بات ہے کہ ہم سے کسی نے گھر بھی نہیں چھڑوایا۔ ہم انہی لوگوں میں رہتے بستے ہیں۔ اپنی برادری میں اپنے گھروں میں انہی لوگوں میں رہتے ہیں۔ کاروبار بھی وہیں کرتے ہیں۔ یہ حکم نہیں کہ گوشۂ تنہائی میں چلے جاؤ۔ خوراک کم کردو۔ سونا کم کردو۔ باتیں کم کردو۔ لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دو۔ تب ذکر نصیب ہو جائے گا۔ یہ تو جاننے والوں کی باتیں ہیں۔ جو جانتے ہیں۔ وہ جو ان چیزوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں۔ اور اس کے باوجود کہ اپنے گھروں میں رہو، والدین کی خدمت کرو، اولاد کی تربیت کرو، دوستوں سے دوستی نبھاؤ، دوستی، دشمنی، کاروبار سارا کچھ کرو، پھر ذکر و مراقبات بھی کرتے رہو تعلق باللہ نصیب ہو جائے گا۔ جو تصوف پر مطالعہ رکھتے ہیں ان کیلئے یہ ایک عجیب بات ہے۔ اور بڑی مثالی بات ہے ساری تاریخ میں یہ ممکن نہیں۔ پھر اگر ان سب باتوں کے ساتھ ہمیں ذکر کی دولت نصیب ہو جائے۔ مراقبات نصیب ہو جائیں اور ہم پھر سستی کریں تو اندازہ کرلیں کہ کتنا بڑا جرم ہے۔ اپنے آپ کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی ہے۔ آدمی فراغت کی تلاش میں رہتا ہے۔ فارغ ہونگے تو کرینگے۔ ذکر فراغت کا کام نہیں ہے۔ ذکر مقصد حیات ہے۔ یہ کام ہر حال میں کرنے کا ہے۔ ہر وقت کرنے کا ہے۔ کام کرتے رہیں اور متوجہ رہیں قلب کی طرف۔ بات کریں لیکن قلب سے توجہ نہ ہٹے تو پھر اس کا فائدہ ہوگا۔ کام بھی بندہ جائز کرے گا اور اس میں برکت ہوگی۔ بات بھی جائز اور بھلی کرے گا اور اس میں برکت بھی ہوگی تو میرے بھائی اس کو اولیت دیں۔ سارے کاموں پر مقدم رکھیں۔ ذکر کر کے سو جائیں اور ذکر کرتے ہوئے اٹھیں خصوصاً اپنے اوقات میں لطائف کیلئے ضرور وقت رکھیں اور باقاعدگی سے کریں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض ساتھی الحمد للہ صاحب مجاز بھی ہیں۔ ان کو ذکر کرانے کی توفیق بھی ہے۔ اجازت بھی ہے۔ اور دوسروں کو لطائف کراتے ہیں۔ اور خود بے فکر بیٹھے رہتے ہیں۔ دوسروں کے لطائف بدلواتے ہیں۔ دوسرا لطیفہ، تیسرا لطیفہ، خود نہیں کرتے۔ یہ سمجھ لینا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ یہ بہت بڑا دھوکا ہے۔ جس کو جتنے مراقبات نصیب ہیں۔ ان کو اتنے زیادہ لطائف کرنے کی ضرورت ہے۔ جس عمارت کا جتنا بوجھ بنتا جاتا ہے۔ اس کی بنیادیں اتنی ہی مضبوط ہونی چاہئیں۔ تو میری آج کی گزارش

وہی ہے کہ بنیادی اذکار پر اور لطائف پر ضروری توجہ دی جائے۔ اپنے مراقبات دوہرائیں، ضرور دوہرائیں، اللہ سب کو مزید ترقی دے۔ بہت اچھی بات ہے۔ ہر ایک نے اپنا نصیب ہی لے کے جانا ہے۔ جہاں تک شیخ کا تعلق ہوتا ہے وہ منجانب اللہ ایک وسیلہ بن جاتا ہے۔ ذریعہ بن جاتا ہے۔ کرتا وہ خود ہی ہے۔ جس کو جتنا دینا ہو وہ خود ہی دیتا ہے۔ اس کی اپنی تقسیم ہے۔ میں نے بارہا حضرتؒ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے بعض لوگ آتے جاتے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ اسے اتنے مراقبات ہو جائیں۔ پوری قوت سے توجہ بھی دیتا ہوں۔ لیکن اسے کچھ نہیں ہوتا بعض آتے ہیں جن کی مجھے پرواہ نہیں ہوتی اور ان کو تھوڑی سی توجہ دیتا ہوں تو ان کو مراقبات ہو جاتے ہیں لیکن دینے والا تو وہ خود ہے۔ شیخ کے ہم بہت ممنونِ احسان ہیں۔ اللہ ان پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات میں ہمیشہ ترقی فرماتا رہے۔ ہم پہ ان کا وہ احسان ہے جس کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا وہ جو کسی نے فرمایا تھا کہ

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی

مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

اس عہد کے بندے کو یہاں سے لے کر اس کی روح کو رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا دیا اس سے بڑی کسی بات کا تصور ممکن نہیں اتنا مشکل کام ہے کہ لوگ ماننے کو تیار نہیں کہ ایسا ہوتا ہے سن کر ہی انکار کر دیتے ہیں۔ اور واقعی ایسا ہونا عجیب بات ہے اصل جتنی قیمتی ہوتی ہے اتنی زیادہ اس کی نقل بھی ہوتی ہے کم قیمت چیز کی نقل بازار میں کیا بکے گی اس کی اپنی ہی قیمت نہیں۔ ہے اس کی نقل آپ بنائیں گے تو کیا بکے گی؟ قیمتی چیزیں جو ہوتی ہیں ان کی نقل بازار میں آجاتی ہے۔ اور بے شمار لوگوں نے یہ بتایا ہوا تو ہے کہ ہم یہ کر لیتے ہیں۔ وہ کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ اتنا مشکل کام ہے یہ آسان نہیں۔ اور اس نام پر لوگوں کو دھوکا دینا کہ انہیں حاصل کچھ نہ ہو۔ انہیں کہنا تمہیں فنافی الرسول ﷺ ہو گیا ہے۔ تمہیں فلاں مراقبات ہو گئے۔ اس سے بڑا ظلم دنیا میں اور کوئی نہیں۔ اس سے بڑا اور کوئی جرم نہیں کہ نبی ﷺ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ میرے ایک عزیز بزرگ ہیں۔ بوڑھے آدمی ہیں۔ اگلے روز کہنے لگے کہ بڑے عرصے سے ذکر تو کر رہا ہوں میری روحانی بیعت کروا دیں میں نے کہا جی یہ کام رشتہ داریوں سے نہیں ہوتا محنت کریں جتنی محنت آپ کرتے ہیں اس سے اللہ نے آپ کو زیادہ دے رکھا ہے۔ ہم صرف یہ شمار کرتے ہیں کہ میں نے آج گھنٹہ ذکر کیا۔ یہ شمار نہیں کرتے کہ اس کے بدلے اجر کتنا نصیب ہوا؟ ہم اپنے وہ پندرہ بیس منٹ آدھا گھنٹا شمار کیے رکھتے ہیں۔ لیکن اللہ کی رحمت کتنی وسیع ہے۔ کتنی خطائیں اس نے معاف فرمائیں۔ کتنی نیکیوں کی توفیق دی۔ اس عہد کے حیوانی دور سے حیوانوں سے نکال کر انسانوں میں پہنچا دیا۔ ہمیشہ بندے کی محنت تھوڑی ہوتی ہے اور اس کی عطا بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بندہ محنت بھی کرتا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق کرتا ہے۔ وہ جب عطا فرماتا ہے تو اپنی شان کے مطابق عطا فرماتا ہے۔ لیکن یہ رشتہ داری یا عزیز داری کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ کی عطاء ہے جو محنت کرے گا وہ پائے گا تو میرے بھائی کوشش کیجئے اگر اللہ کریم نے توفیق دی ہے تو یہ عہد ایسا ہے کہ برائی اتنی پھیل چکی ہے کہ اب ہم خواجہ بایزید بسطامیؒ تو بنانے سے رہے لیکن کم از کم بھی فائدہ جو ذکر سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بندے کا عقیدہ ٹھیک ہو جاتا ہے اب میری نظر میں عقائد کی اصلاح کیلئے کوئی اور ذریعہ رہ نہیں گیا لوگ قرآن کریم کو بھی حکایت کی طرح پڑھتے ہیں عبرت حاصل نہیں کرتے سبق حاصل نہیں کرتے اول تو پڑھتے ہی نہیں مخلوق میں سے کتنے فیصد ہیں جو روزانہ تلاوت کرتے ہیں دنیا میں دو ارب کے قریب مسلمان ہیں کتنے لوگ ہیں جو روزانہ تلاوت کرتے ہیں۔ جو

تلاوت کرتے ہیں۔ان میں کتنے ہیں جو مفہوم اور معنی سمجھتے ہیں۔ کتنے ہیں جو اس پرعمل بھی کرتے ہیں۔تو یہ سب کچھ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔مسلمانوں میں کتنے ہیں جو روزانہ حدیث شریف کا مطالعہ کرتے ہیں۔کم از کم ایک حدیث بھی بندہ روزانہ پڑھ لے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔ کتنے ہیں جو سمجھتے ہیں۔وہ کتنا اس پر عمل کرتے ہیں۔اول تو مذہب کی طرف آتا کوئی نہیں۔کوئی آتا ہے تو خود خدا بن کر بیٹھ جاتا ہے۔کہتا ہے دوسرے لوگ میرے پاؤں چھوتے رہیں۔دین کے بدلے دنیا دیتے ہیں۔کمال ہے عجیب بات ہے۔مداری والا نظام بن گیا ہے کہ خود تو لوگوں کو فنائی الرسولؐ کرواتے ہو۔پھر ان سے پیسے مانگتے ہو اور ان سے لے کر کھانے کی امید رکھتے ہو عجیب بات ہے۔

میں مڈل میں پڑھتا تھا، نیا نیا پاکستان بنا تھا،ہمیں چھٹیاں ہوتیں تو ہمارے ایک بزرگ سرگودھا میں رہا کرتے تھے ہماری بڑی عیاشی ہوتی تھی یہاں سے بس پر بیٹھے سرگودھا چلے گئے۔دو چار چھٹیاں گزار آئے۔سرگودھا بھی اس وقت دیہاتی سا شہر تھا۔میرے خیال میں 1901ء میں انگریزوں نے سرگودھا کی بنیاد رکھی تھی۔سارے شہر کی اڑتالیس پچاس سال عمر تھی۔دیہات میں گھرا ہوا تھا۔دیہاتی ماحول تھا۔تو ایک دن ہم چوک میں تماشا دیکھنے لگ گئے۔کوئی مسمریزم والے ہوتے ہیں۔اس کا تماشا دیکھتے رہے وہ کوئی مداری سا تھا۔وہ بہت سے عجیب سے کام کرتا رہا۔پھر آخر میں اس نے ایک فٹ سوا فٹ کی لکڑی سی تھی وہ ڈنڈا سا بیگ سے نکالا۔پھر زمین سے ایک چٹکی مٹی اٹھائی اور وہ ہتھیلی میں رکھی وہ مٹھی بند کر دی۔اس پر ڈنڈا پھیرتا رہا اور کچھ اول فول پڑھتا رہا۔پھر اس نے مٹھی کھولی اس وقت چاندی کا روپیہ ہوتا تھا، دو پڑ ہوتے تھے۔وہ کافی بڑا ہوتا تھا۔ایک تولہ وزن کا ہوتا تھا خالص چاندی ہوتی تھی۔اس نے مٹھی کھولی تو چاندی کا روپیہ تھا۔بڑی حیرت ہوئی کہ مٹی سے روپیہ بنالیتا ہے۔لیکن اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔خود کتنا میلا کچیلا ہے۔لباس درست کیوں نہیں کرتا۔تو سارے تماشے دکھا کر اس نے میلی سی چادر بچھائی۔پھر وہ بولا پیسہ پیسہ، دو پیسہ۔اس زمانے میں ایک پیسہ میں تین پائیاں اور دو دھیلے ہوتے تھے۔ہم سکول جاتے تھے۔ہمیں گھر سے ایک پیسہ ملتا تھا۔تفریح ہوتی تھی تو دھیلے کی ہم کوئی چیز لیتے تھے اور دھیلا دکاندار سے واپس لیتے تھے۔چھٹی ہوتی تو پھر دھیلے کی مونگ پھلی یا کوئی اور چیز لیتے تھے اور دھیلے کی مونگ پھلی چلو میں بھر کر لیتے تھے۔

جب اس نے پیسہ دو پیسہ اس طرح مانگے، چادر بچھائی، اس کا جو رعب ہم پر تھا کہ مٹی سے روپیہ بنالیتا ہے وہ ختم ہو گیا۔ہم نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے اگر یہ روپے بنا سکتا ہے تو پیسہ پیسہ مانگتا کیوں ہے۔

اگر کسی کے پاس دین کی دولت ہے وہ تو اتنا دولت مند ہے کہ اسے لوگوں سے روپے چندا مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر پیری کے روپ میں شیرینیاں کھانے کی عادت ہے تو پھر پیری کا دکھاوا ہی ہے۔ اس مداری کی طرح اس میں کچھ نہیں۔ دنیا میں اور بڑے ایسے روزگار ہیں۔جو جرم ہیں، حرام ہیں، گناہ ہیں لیکن سب سے بدترین گناہ یہ ہے کہ کوئی نیکوں کے روپ میں لوگوں سے دین کے بدلے دنیا وصول کرے یا ان سے امید رکھے۔عام آدمی کو محنت کرنا چاہئے تو شیخ کو ان سے زیادہ محنت کرنا چاہئے دست و بازو سے روزی کمانی چاہئے۔یہ بہت بڑا منصب ہوتا ہے۔اور صاحب منصب کو غریبوں کو دینے والا ہونا چاہئے نہ کہ غریبوں سے لینے والا۔جائز اور حلال وسائل سے ضرور محنت کیجئے۔اللہ آپ کے رزق میں برکت دے۔ لیکن حلال ہو۔اللہ حلال رزق دے۔اچھا کھائیں، اچھا پہنیں، اچھا گھر بنائیں۔یہ بھی اللہ کے شکر کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورة الضحیٰ: 11) اس میں مفسرین لکھتے ہیں کہ آدمی کے لباس سے اس کے حال سے پتہ لگنا

چاہئے کہ اس کو اللہ نے کتنی نعمتیں دی ہیں۔ تکبر کیلئے نہیں، اپنی بڑائی کیلئے نہیں، دکھاوے کیلئے نہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے۔

یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ نہ کھانا کھانے کی پابندی ہے۔ نہ گھروں میں رہنے کی پابندی ہے۔ نہ مصروفیات کی پابندی ہے۔ صرف ایک ہی پابندی ہے کہ ہر کام شریعت کے مطابق ہو اور اس کے ساتھ یہ نعمت نصیب ہو۔ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ تاریخ تصوف میں یہ چیز ثابت نہیں۔ یہ اتنا مشکل کام ہے۔ اس کی قدر کیجئے۔ اذکار پر محنت کریں۔ ان تقریروں کا کیا فائدہ۔ ہم افسانے سناتے رہیں اور آپ سن کر گھروں کو چلے جائیں۔ اپنے کام سے کام رکھیں۔ اللہ کریم سب کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری بے شمار خطائیں ہیں۔ گناہ ہیں۔ وہ غفور رحیم ہے۔ اسی سے رجوع کرتے ہیں۔ توبہ کی توفیق بھی وہ خود عطا فرماتا ہے۔ اور توبہ قبول بھی وہ خود ہی کرتا ہے۔ دنیا سے اگر کوئی فنا فی الرسولؐ لے جائے تو وہ دو عالم کی برکتیں لے گیا۔ شرط یہ ہے کہ لے کے جائے۔ اور لے کے جانے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ذکر الٰہی پر جمے رہیں۔ اسی سے امید رکھیں۔ اسی سے دعا کریں۔ اللہ کریم ہم پر رحم فرمائے۔ ہماری خطائیں معاف فرمائے۔ توفیق ذکر عطا فرمائے اپنی اطاعت اور حضور ﷺ کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

وہ دانائے سبل، ختم الرسلؐ، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

گلہائے عقیدت

بحضور شیخ المکرم مدظلہ العالی

ہوا جب میں سائے میں تیرے علم کے
خزانے ملے جیسے عرب و عجم کے

سکھایا محبت کا تونے قرینہ
رواں ہیں نگاہوں سے چشمے جو نم کے

ترا شکریہ میرے شیخ المکرم
بھلائے فسانے جو تونے شکم کے

کہاں طالب خالق، کہاں بندہ عاجز
کرشمے یہ تیرے ہیں نظر کرم کے

کبھی پتھروں سے بھی کلیاں ہیں پھوٹی
دکھائیں جو مجھ کو بہاریں حرم کے

یہ تیرے نظر سے ہوا ہے، یقین ہے
سمجھائے معنے جو لوح و قلم کے

ترے در کا خادم ہوں میں تاج آقا
نشان دل پہ ہیں نقش تیرے قدم کے

حافظ تاج ولی تاج، گڑھی کپورہ، مردان

حیاتِ جاوداں

مجددِ طریقت، بحر العلوم، قلزمِ فیوضات

حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

کی وفات 15 جمادی الاول 1404 ہجری میں ہوئی۔اس موقع پر ان کی سوانح سے اقتباس قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔

حضرت جیؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد حالات قدرے معمول پر آئے تو 9 اپریل 1984ء کو حضرت جیؒ کی جگہ حضرت امیر المکرم مدظلہ العالی کے سالانہ دوروں کے پروگرام کو حتمی شکل دی گئی اور 13 اپریل کو حضرت جیؒ کے مرقدِ پرنور پر حاضری کے ساتھ صوبہ سرحد کے دورہ کا آغاز ہوا۔حضرت جیؒ کی توجہ اور دعاؤں کے جلو میں مرشد آباد سے سفر شروع ہوا تو قافلے کی اولین گاڑی حضرت امیر المکرم کی جیپ تھی جسے وہ خود چلا رہے تھے جبکہ ان کے عقب میں راقم کی گاڑی تھی۔قریباً ایک گھنٹہ سفر کے بعد حضرت امیر المکرم اچانک رک گئے' جیپ ڈرائیور کے سپرد کی اور خود راقم کی گاڑی میں آ گئے۔کافی دیر تک سکوت کا عالم رہا گویا حضرت امیر المکرم کسی اور ہی دنیا میں کھوئے ہوئے ہوں پھر فرمایا:

''وفورِ انوارات کا یہ عالم ہے کہ گاڑی ڈرائیو کرنا مشکل ہو گیا تھا' حتیٰ کہ سڑک بھی نگاہوں سے اوجھل ہونے لگی۔''

یہ سفر اپنی نوعیت کا ایک منفرد سفر تھا۔اس سے قبل حضرت امیر المکرم نے بارہا حضرت جیؒ کی معیت میں سفر کیا تھا لیکن آج کا سفر آپ کی نیابت کا پہلا سفر تھا جس کی کیفیات ہی جدا تھیں۔حضرت جیؒ کا ذکر ہوا تو راقم نے جسارت کرتے ہوئے عرض کیا کہ بقول قاضی ثناء اللہؒ (لیٹی والے) حضرت جیؒ نے فلاں دائرہ میں وصال پایا۔حضرت امیر المکرم نے فرمایا' یہ بات درست نہیں۔حضرت جیؒ کے مقامات اس سے کہیں آگے ہیں لیکن قاضی جیؒ ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔البتہ اس سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ قاضی جیؒ خود اس دائرہ تک سیرِ نظری رکھتے ہیں۔آئندہ بھی لوگ اسی طرح حضرت جیؒ کے مقامات کا اندازہ لگانے لگیں گے۔کیا خبر کوئی شخص حضرت جیؒ کو مقامِ اقربیت پر دیکھے تو کہنے لگے کہ یہی آپ کا مقام ہے۔ضرورت ہے کہ اب حضرت جیؒ کی منازل کا تفصیلاً ذکر کر دیا جائے تاکہ آئندہ کسی کو اشتباہ نہ ہو۔

بات جب حضرت جیؒ کی منازل کی ہو تو یقیناً اس موضوع پر حضرت جیؒ کے اپنے الفاظ سند کا درجہ رکھتے ہیں یا پھر حضرت امیر المکرم کا یہ مقام ہے کہ وہ اس موضوع پر کچھ کہہ سکیں۔صوبہ سرحد کے دورہ سے واپسی پر حضرت امیر المکرم نے حضرت جیؒ کے مناصب و منازل کے بارے میں تفصیلاً رقم فرمایا تاکہ یہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں۔حضرت جیؒ کی سوانح کے اس اہم ترین باب کا بیشتر حصہ حضرت امیر المکرم کے الفاظ ہی میں ہے یا کہیں حضرت جیؒ کے الفاظ کا سہارا لیا گیا ہے جو مستند روایات یا آپؒ کی تحریروں کی صورت میں حاصل ہوئے۔حضرت جیؒ کی منازلِ سلوک کے متعلق حضرت امیر المکرم رقمطراز ہیں:

''گذشتہ کئی روز سے دل اور دماغ آپس میں الجھ رہے تھے۔دل چاہتا تھا کہ حضرتؒ کے وصالِ مبارک کے وہ حالات جو صرف اللہ کی خاص عطا سے اور کشفاً ہی معلوم ہو سکتے ہیں اور جو واقعات دیکھنے کی سعادت اللہ کریم نے مجھ بے نوا کو بخشی ہے اس میں

احباب کو بھی شریک کرلوں مگر ذہن نہیں مان رہا تھا کہ اوّل تو یہ اَسرارِ الٰہی ہیں اور ان کا اظہار مناسب نہیں' دوم یہ دور جہالت کا ہے اور قحط الرجال ہے۔ ایک طرف لوگ حیاتِ انبیاء علیہم السلام کا انکار کئے بیٹھے ہیں اور دوسری طرف سلوک کی ابجد سے بھی ناآشنا کچھ لوگ جبہ و دستار پہنے لوگوں کو نہ صرف بدعات بلکہ مشرکانہ رسومات میں دھکیل رہے ہیں۔ اس افراتفری میں بحث کا ایک نیا دروازہ کیوں کھولا جائے۔ لیکن آخر دل کی بات ماننا پڑی اور اس لئے بھی ماننا پڑی کہ جس زور سے حیات بعد الموت کا انکار ہے' ضروری ہے کہ اثبات بھی علی الاعلان کیا جائے۔ رہی بات بحث کی تو حضرت استاذ المکرم و محترم' بحر العلوم' قلزم فیوضات' مجددِ طریقت' امام الاولیاءؒ نے اس قدر جامع تصنیفات چھوڑی ہیں کہ اس باب کو بند کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی کج بحثی کرے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

حضرت جیؒ کا تعارف بحیثیت ایک ولی کامل' مقاماتِ تصوف وسلوک بیان کئے بغیر ممکن نہیں۔ اس راہ میں ابتدا یا ابجد فنا و بقا ہے۔ مراقبات فنافی اللہ اور بقاباللہ والا اس قابل ہوجاتا ہے کہ راہِ سلوک پر قدم رکھے۔ آگے کی پہلی منزل سالک المجذوبی ہے جس کی سات منازل ہیں اور ان سات منازل میں تقریباً سوالاکھ نورانی حجابات ہیں جو سالک کو طے کرنے پڑتے ہیں اور پھر دریائے رحمت عبور کرنے کے بعد پہلے عرش کی منازل شروع ہوتی ہیں۔ پہلے عرش کے اندر تقریباً سوالاکھ منازل ہیں اور یہ شمار حتمی نہیں ہے بلکہ ہم نے اندازہ اسی طرح لگایا تھا کہ حضرت جیؒ نے فرمایا۔

"میں نے ایک سال پہلے عرش کی منازل شمار کیں تو اول سے لے کر سولہ ہزار تک طے کرسکا۔ پھر تین سال اور لگے تب جا کر عرش طے ہوا۔"

یاد رہے کہ جوں جوں روح آگے بڑھتی ہے اس کی قوت اور رفتار بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سوکوئی صاحب حساب کے قاعدوں میں نہ الجھیں بلکہ مجھ بے نوا پر ہی بھروسہ کریں کہ میں نے حضرت جیؒ کی خدمت میں بیٹھ کر' مختلف چیزوں کا جائزہ لے کر حساب جوڑا تھا تو اندازاً سوالاکھ شمار ہوا تھا۔ ان منازل کے درمیان فاصلہ اس قدر ہے کہ ہر نیچے والی منزل سے اوپر والی منزل اس قدر بلند ہے کہ اگر نگاہ کی جائے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے زمین پر سے کوئی انتہائی دور ستارہ جو معمولی سا ٹمٹماتا ہوا نظر آتا ہے۔ اب پورے عرش کی اندرونی وسعت کا خیال خود کرلیں کہ سمند عقل یہاں تھک کر گرتا ہے۔

عرش کی تعداد 9 ہے۔

آنکہ آمدنہ فلک معراجِ او   انبیاء و اولیا محتاجِ او

پہلے اور دوسرے عرش کے درمیان کا فاصلہ عرشِ اول کی موٹائی سے زیادہ ہے۔ پھر دوسرے عرش کی موٹائی اس فاصلے اور خلاء سے زیادہ' علیٰ ہذا القیاس۔ ہر عرش کے بعد خلاء بھی ہے اور اسی نسبت سے خلاء اور عرش کی موٹائی بڑھتی بھی جاتی ہے' حتیٰ کہ نویں عرش کی انتہا عالم امر کی ابتدا ہے جسے عالم حیرت بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں سے وہ دائرے شروع ہوتے ہیں جن میں سے ایک ایک کی وسعت میں جہان گم ہوسکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ اول تو بے شمار طالبوں کے نزدیک فنابقاہی انتہائے سلوک ہے لیکن بعض خوش نصیب جو اس سے آگے چلے سالک المجذوب بمشکل بن پائے۔ پھر عرش کی وسعتوں میں خلقِ خدا سرگرداں رہی۔ ان میں برصغیر کے ایسے نامور حضرات بھی شامل ہیں جن کے نام اس غرض سے نہیں گنوا سکتا کہ نااہل یہ کہیں گے کہ اپنے آپ کو ان سے اعلیٰ شمار کرتا ہے حالانکہ یہ مقصد ہرگز نہیں۔ میں اپنے آپ کو ان کی خاکِ پا جانتا ہوں' پھر وہ اپنی منزل پا گئے اور ہم عالم ابتلا کے گرداب میں ہیں۔ اللہ ہمیں بعافیت ان کے پاس پہنچائے۔ آمین!

ان دائروں کی تعداد 36 ہے اور ان کی وسعت بے کراں۔ پہلا دائرہ مقامِ تقرب ہے جس کی پنہائیوں کا اندازہ اس بات سے لگا

لیس کہ نو عرش اور دنیا و مافیہا اس کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے کسی صحرا میں ایک مندری۔ اس دائرے میں حضرت علی ہجویریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات ہوئی۔ یہاں سے آگے کے بعض دوائر کی بات حضرت مجدد صاحبؒ نے ارشاد فرمائی ہے مگر وہ سیر نظری ہے جہاں تک ان کی نگاہ نے کام کیا۔

بہر حال چوتھا دائرہ مقامِ تسلیم ہے جہاں مقاماتِ ولایت اولیاء کی انتہا ہے۔ اس دائرے میں ایک ایسی ہستی ملتی ہے جو بھیرہ میں دفن ہے۔ اپنے زمانے کے غوث تھے، ظلماً شہید کیے گئے۔ اب ان کے اوپر آبادی اور مکان بنے ہوئے ہیں۔ یہ بے نوا ایک بار کسی کام سے بھیرہ گیا تو ملاقات اور حاضری نصیب ہوئی۔ فرماتے تھے کہ ان مکانوں کے رہنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں، ان کی عورتیں بدکار ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت! نشاندہی ہو جائے تو ممکن ہے کہ لوگ جگہ خالی کر دیں تو فرمایا، میں ہر صاحبِ کشف کو بھی اپنی جگہ دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر نشاندہی ہو گئی تو دنیا بھر کے بدکار یہاں جمع ہوں گے۔ اس سے یہ چند بہتر ہیں۔

خیر، یہ جملۂ معترضہ تھا، مقامِ تسلیم کے بعد ولایت انبیاء شروع ہوتی ہے جو نبی کو وہبی طور پر حاصل ہوتی ہے اور قبل نبوت بھی حاصل ہوتی ہے، جس میں امتی صرف اتباع پیغمبر کی بنا پر باریاب ہوتا ہے ورنہ یہ منازل امتی کے لئے نہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح شاہی محل میں بادشاہ کے ساتھ خدام بھی رہتے ہیں۔

یہاں سے چھ دائرے عبور کرنے کے بعد ساتواں دائرہ مقام رضا ہے، جس کے آخر میں ایک ایسی ہستی ہے جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلیفہ اول تھے۔ دائرہ مقام رضا سے آگے پانچواں دائرہ حقیقتِ رسالت ہے، جس کی ابتدا میں حضرت سیدنا نذیر علی شاہؒ (ان کا مدفن کشمیر میں ہے اور غیر معروف ہے) کی وفات ہوئی اور اس دائرہ کی انتہا میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ عالم بقا کو سدھارے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

اور بے شمار ہستیاں ہوں گی۔ امت محمدیہ علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام کو اس گزرگاہ میں نقش کفِ پائے حبیب ﷺ پہ بوسے دیتے چودہ سو سال بیت چکے ہیں۔ میں نے صرف ایک دو نام تبرکاً گنوانے کی جسارت کی ہے۔

آگے چھٹا دائرہ مقامِ افراد ہے جس میں اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ملتے ہیں۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ یہ بہت نازک مقام ہے۔ حضرت مجددؒ نے جب بات کی تو ان پر فتویٰ لگا تھا کہ یہ اپنے آپ کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانتا ہے لیکن یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب نبی ان مقامات سے گزرتا ہے تو بحیثیت نبی کے گزرتا ہے۔ صحابی گزرتا ہے تو بحیثیت صحابی کے گزرتا ہے اور ولی گزرتا ہے تو ان کا کفش بردار ہو کر۔ ورنہ قرونِ ثلثہ مشہود لہا بالخیر کا مرتبہ شانِ ولایت کی رسائی سے بالاتر ہے۔ رہی بات فتوؤں کی تو وہ لوگوں کا مزاج بن چکا ہے۔ جب معاملہ عنداللہ درست ہو تو فکر کی بات نہیں۔ ممکن ہے فتویٰ لگانے والے بھی خلوص سے کام لے رہے ہوں مگر حالات کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے معذور ہوں۔ اللہ کریم ہم سب کو ہدایت پر رکھے۔ آمین!

اس سے اگلا دائرہ قطبِ وحدت کا ہے اور اس کے بارے میں مناسب ہوگا کہ میں حضرت جیؒ کے مبارک الفاظ نقل کر دوں:

"یہ وسیع دائرہ ہے۔ ڈیڑھ سال بندہ اس میں سرگرداں رہا۔"

اس مبارک روح کی قوتِ پرواز اور رفتار کا اندازہ کر کے اس دائرے کی وسعت کا خیال کیا جائے تو بات حساب و شمار کی حدود کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

اگلا مقام دائرہ صدیقیت ہے جس کے بعد بارہ دائرے

ہیں' قربِ نبوت' قربِ رسالت' قربِ اولوالعزمی' قربِ محمدی ﷺ' وصالِ محمدی ﷺ' رضائے الٰہی' قربِ الٰہی' وصالِ الٰہی' قربِ رحمت' بحرِ رحمت' خزانۂ رحمت اور منبعِ رحمت۔ ان کی وسعتیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ قریباً ایک چوتھائی سلوک یہاں طے ہو جاتا ہے۔ میری ناقص رائے میں جو اصحاب یہ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے سلوک مکمل طے کر لیا شاید وہ کچھ اندازہ کر سکیں۔

اس سے آگے حجاباتِ الوہیت ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ یہ اکتوبر 1966ء کی بات ہے کہ حضرت جیؒ نے فرمایا تھا کہ یہ "بدکار" (حضرت جیؒ نے کسرِ نفسی سے اپنے متعلق یہ لفظ استعمال کیا) سوم حجاب میں ہے۔"

حضرت جیؒ کی منازل کی یہ صورتحال تو 1966ء تک تھی۔ اس کے چودہ سال بعد منازلِ سلوک کی تکمیل کا ذکر حضرت جیؒ کے دو خطوط میں ملتا ہے جو آپؒ نے حضرت امیر المکرم کے نام تحریر فرمائے۔ 29 جون 1980ء کے مکتوب میں آپؒ نے تحریر فرمایا:

"فیصل آباد اور گلگت جانے سے روکا گیا کہ فوری سرگودھا اترے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلوک کے منازل پورے ہو گئے۔ اس پر انعام کا ملنا' ان کی تکمیل کا سہرا حضرت صاحبؒ (خواجہ اللہ دین مدنیؒ) کے سر پر تھا۔ ان کی مرضی یہ تھی کہ یہ انعام میرے علاقہ میں ملے' نہ کسی دوسرے علاقہ میں۔ مجھے بتایا گیا کہ حجاباتِ الوہیت تم کو 15/16 سال میں طے کرائے گئے۔ امت محمدیہ ﷺ میں ایک امام حسن بصریؒ نے سوم حجاب کی ابتدا میں وفات پائی۔ باقی نری آگ ہیں۔ مصائب کا انبار اور وختوں کا خزانہ ہیں۔ ان کے طے ہونے کے بعد دائرہ عطاردیہ طے ہوا' پھر دائرہ قمریہ طے ہوا' پھر دائرہ زہریہ طے ہوا' پھر دائرہ شمسیہ طے ہوا' پھر دائرہ زحل طے ہوا۔ دائرہ شمسیہ اور دائرہ زحل کی گرمی کا آپ (حضرت جیؒ) کے بدن پر اثر ہے' علاج سے اس وجہ سے فائدہ نہ ہوا۔ اب آگے دائرہ مشتریہ شروع ہوا۔ بتایا گیا کہ اس دائرے کے طے کرنے کے بعد سلوک انبیاء کا بھی ختم۔ یہ دائرہ انتہا سلوک کی ہے۔ آگے تیز و سخت تجلیات ہیں جن سے انسان جل جاتا ہے۔ دائرہ مشتری میں اکثر انسانی اوصاف سلب ہو جاتے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ اس میں مصائب ہیں۔ اللہ اچھا جانتا ہے۔ پرسوں دائرہ زحل سے نکلنے کے بعد بندہ کو غسل دیا گیا۔ آگے جانے کے لئے پوری سمجھ نہیں آئی۔ ملتان میں جناب شیخ عبدالقادرؒ اور غوث ملتانیؒ کی گفتگو یوں تھی کہ جب دائرہ مشتریہ میں داخل ہو گے تو کیا اس وقت بھی ہماری طرف توجہ و خیال کرو گے۔ ان کے کلام سے تو پتہ چلتا ہے کہ مخلوق سے لاتوجہی ہو جاتی ہے مگر اب تو میل جول میں ہوں۔

نوٹ: دائرہ قربِ عبودیت سے آگے منازلِ نبوت شروع ہوتے ہیں نہ ولایتِ نبوت۔ ولایتِ نبوت میں امتی جا سکتا ہے مگر منازلِ نبوت میں اس طرح جا سکتا ہے جس طرح کسی کوٹھی میں ماشکی دھوبی خاکروب جاتا ہے۔"

اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ یکم جون 1980ء کو حضرت جیؒ کراچی سے ملتان پہنچے۔ اس کے بعد فیصل آباد اور گلگت جانے کا پروگرام تھا لیکن حضرت سلطان العارفینؒ نے منع فرما دیا اور آپؒ 20 جون 1980ء کو سرگودھا تشریف لے گئے جہاں منازل سلوک کی تکمیل ہوئی۔

جیسا کہ ایک سابقہ باب "راہ نوردِ شوق" میں تفصیلاً ذکر ہوا' حضرت جیؒ کا روحانی سفر لنگر مخدوم' ضلع سرگودھا میں حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے مرقدِ پرنور پر 1942ء میں حاضری کے ساتھ شروع ہوا۔ تقریباً 38 سال بعد جب یہ سفر مکمل ہونے کو تھا تو حضرت سلطان العارفینؒ نے خواہش فرمائی کہ اب تکمیل منازل کا اعزاز بھی ان ہی کے علاقہ میں حاصل ہو جس کی وجہ سے

گلگت کا پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔

حضرت جیؒ نے حضرت امیر المکرّم کے نام 27 جون 1980ء کے تحریر شدہ خط میں تکمیل منازل کا ذکر کیا ہے۔ 1980ء کے اس اہم واقعہ کے بعد حضرت جیؒ نے ان امور کے بارے میں ہدایات کا آغاز فرمایا جن کا تعلق آپؒ کے بعد مستقبل میں سلسلہ عالیہ کے انتظام وانصرام سے تھا۔

یہاں تک تو حضرت جیؒ کے مقامات ومنازل کا ذکر تھا' دوسرا پہلو مناصب کا ہے جس کے بارے میں حضرت امیر المکرّم مدظلہ العالی یوں رقمطراز ہیں:

''اب اس کا دوسرا پہلو مناصب کا ہے۔ اقطاب' غوث' اور یاد رہے کہ غوث روئے زمین پر ایک وقت میں ایک ہوتا ہے' گا ہے ترقی پا کر قیوم بنتا ہے اور پھر فرد۔ اگر اسے ترقی نصیب ہو تو قطبِ وحدت اور قطبِ وحدت اگر ترقی کرے تو صدیق بنتا ہے۔

خدا کے لئے ان الفاظ کو خارزارِ لغت میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کیجئے گا کہ یہ اسماء ہیں مراتب ولایت کے اور مناصبِ اولیاء اللہ کے نام ہیں۔ پھر میں عرض کردوں کہ نبی کے مناصب ومنازل بحیثیت نبی' صحابی کے بحیثیت صحابی اور ولی کے بحیثیت ولی ہوتے ہیں۔

منصب صدیقیت کے بعد ایک اور صرف ایک مقام ہے یا منصب ہے جسے قربِ عبدیت کہتے ہیں اور وہ حضرت جیؒ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں برسائے' کو نصیب تھا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ۔''

حضرت جیؒ نے حضرت امیر المکرّم کے نام 1976ء کے ایک مکتوب میں منصب قربِ عبدیت کو منصبِ عبودیت بھی کہا ہے اور منصبِ قربت بھی۔ آپؒ نے اس منصب کے متعلق حیرت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا:

''اس منصب پر کسی صوفی نے کیونکر قلم نہیں اٹھائی نہ بیان کیا۔ آخر فتوحاتِ مکیہ شیخ اکبر میں اشارہ ملا' منصبِ قربت بھی ہے۔''

حضرت جیؒ ملتان میں احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ دورانِ گفتگو اپنی روحانی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''میری حالت ایسی ہے جیسا کہ میں ہر وقت اپنے آپ کو براہ راست ذاتِ ربانی کے انوارات میں لپٹا ہوا محسوس کرتا ہوں جیسے کوئی تندور کے اندر ہو۔ اس کیفیت کو برداشت کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ مقامِ عبدیت ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کے روبرو ہوتا ہے اور براہِ راست اس کی تجلیات کا مہبط بن جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی زندگی مرضیاتِ باری تعالیٰ میں مقید ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ مقامِ عبدیت نبی کریم ﷺ کو حاصل تھا جو معراجِ انسانیت ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی (السراء: 1)

یہ مقامِ عبدیت امتی ہونے کی نسبت سے حضرت صدیق اکبرؓ کو نصیب ہوا۔ یہ مقام بھی ایک شعبۂ نبوت اور بلند ترین شعبۂ نبوت تھا اس لئے امت میں بھی منتقل ہونا تھا جس کی متحمل صحابہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ عالی مقام تھی۔''

یہاں تک حضرت جیؒ کے مقامات ومناصب کا تذکرہ آپؒ کے اپنے الفاظ میں تھا یا حضرت امیر المکرّم مدظلہ العالی کے الفاظ میں لیکن اس کا ادراک ہما شما کے بس کی بات نہیں۔ حضرت امیر المکرّم مدظلہ العالی ان مقامات ومناصب کے بارے میں ایک عام قاری کی رہنمائی کے لئے رقمطراز ہیں تاکہ وہ کسی اشتباہ کا شکار نہ ہو۔

''یہ جملہ امور دلائل ذوقیہ سے متعلق ہیں اور صرف صاحبِ ذوق و احوال حضرات ہی جان سکتے ہیں یا پھر اعتماد ہو بیان کرنے والے پر' مگر ایک دلیل ایسی بھی پیش کرنا چاہوں گا جسے ہر صاحبِ عقل بھی سمجھ سکے اور وہ یہ کہ برکاتِ نبوی ﷺ میں ایک کمال یہ تھا کہ ہر

آنے والا صحابی بن جاتا تھا۔ مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، عالم، جاہل، شہری یا بدوی، گورا ہو یا کالا، ہر آنے والا ایک نگاہ میں درجہ صحابیت حاصل کر لیتا تھا۔ پھر خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر جو مدارج ہیں وہ علیحدہ بات ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی یہ کمال منعکس اور منتقل ہوا کہ ان کی صحبت اور زیارت سے مشرف ہونے والا تابعی بن جاتا تھا۔ تابعین کو بھی یہ کمال حاصل ہوا کہ ان کی نگاہِ شفقت تبع تابعی بنا دیتی۔ خیر القرون کے بعد امت مرحومہ میں بے شمار جلیل القدر ہستیاں آئیں اور اللہ نے ہر دور اور ہر ملک میں بہت اعلیٰ مدارج کے حامل اولیاء اللہ پیدا فرمائے لیکن پوری تاریخ میں کوئی ایسی ہستی نہیں مل سکتی جس کے پاس حاضر ہونے والے تمام آدمیوں کے دل منور ہو جائیں، لطائف روشن ہو جائیں اور ولایتِ خاصہ سے کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے بلکہ بے شمار افراد آتے جن میں سے چند مخصوص حضرات ایسے خوش نصیب ہوتے جو سینہ روشن لے کر جاتے۔ باقی سب لوگ ظاہراً بیعت اور تعلیمات تک ہی رسائی پاتے اور بس!

یہ حقیقت کسی ایک یا دو یا چند حضرات کے بارے میں عرض نہیں کر رہا بلکہ یہ چودہ صدیوں پر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے اور جب اس کے ساتھ نگاہ قلزمِ فیوضات، بحر العلوم، حامل قربِ عبدیت حضرت استاذنا المکرم و محترم کی جانب اٹھتی ہے تو وہی بہار لٹتی نظر آتی ہے یعنی خدمت میں آنے والے ہر آدمی کا سینہ منور ہو جاتا ہے۔ اک نگاہ میں لطائف چمکنے لگتے ہیں۔ کوئی بھی فیوضات و برکاتِ روحانی و قلبی سے محروم نہیں رہتا۔ یہ اور بات ہے کہ جس کا جتنا ظرف ہے یا جتنا نصیبہ ہے اتنا ہی پا سکتا ہے لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ "لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ" (صحیح البخاری، باب فضل ذکر اللہ عز و جل) اور اس گئے گزرے دور میں بارگاہِ نبوی ﷺ میں کشفاً اور روحانی طور پر باریاب ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک بڑھ جاتی ہے۔ سبحان اللہ!

یہ چند سطور بطور تعارف لکھ دی ہیں کہ احباب کو کسی حد تک اپنے شیخ کی عظمت کا اندازہ نصیب ہو۔"

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

ماہنامہ المرشد میں اشتہار دینے کے خواہشمند متوجہ ہوں

جو حضرات اپنے یا اپنی کمپنی کے لیے ماہنامہ المرشد میں اشتہار شائع کروانا چاہتے ہیں وہ سرکولیشن منیجر ماہنامہ المرشد لاہور سے رابطہ کریں۔

دفتر: ماہنامہ المرشد۔ 17 اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔ فون: 042-35180381

قارئین المرشد سے

التماس ہے کہ المرشد کے بارے میں اپنی آراء سے مستفیض فرمائیں اور اس کو زیادہ مفید اور معتبر بنانے کے لئے اپنی تجاویز سے نوازیں۔

نیز یہ بھی گزارش ہے کہ اہل حضرات اپنے مضامین بھجوائیں جو ساتھیوں کی رہنمائی اور نئے قارئین کے لیے نفس کی اصلاح کا سبب بن سکیں۔ یا ایسے واقعات و تجربات تحریر فرمائیں جو سبق آموز ہوں۔

(مدیر ماہنامہ المرشد)

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اکرم التفاسیر

پارہ یعتذرون سورۃ یونس 65-61

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ o اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ [10:1] اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ [10:2] اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِہٖ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ [10:3] اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا اِنَّہٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ [10:4]

سورہ یونس شروع ہوتی ہے اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا اور ترتیب میں سورہ توبہ کے بعد ہے اس میں بھی عقائد و اعمال پہ بحث ہے جیسی سورہ توبہ میں آ رہی تھی اور اس کے عقلی اور نقلی دلائل ارشاد فرمائے گئے الٓر تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ حروف مقطعات قرآن کی کچھ سورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں جن کے معنی اللہ کے اسرار میں سے ہیں اللہ جانے اللہ کا رسول ﷺ جانے یا راسخین فی العلم کچھ لوگ جو راسخین فی العلم کا درجہ پا لیتے ہیں انہیں ان کی شان یا حیثیت کے مطابق اللہ کریم آگاہ فرمادیں لیکن ان کی خواہ مخواہ تاویلیں کرنا درست نہیں ہے۔ قرآن کریم کا حصہ ہیں پڑھنے کا اتنا ہی ثواب ہے، ویسی ہی کیفیات نصیب ہوتی ہیں، ویسا ہی دل روشن ہوتا ہے معنی جاننا ضروری نہیں ہے جیسے آپ دوا کھاتے ہیں تو آپ کا یہ جاننا ضروری نہیں ہوتا کہ اس کے اجزاء کیا کیا ہیں۔ اس سے فائدہ ہو جاتا ہے، نفع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حروف مقطعات کے معنی میں بحث کرنا درست نہیں یہ ایک بھید ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان، لیکن پڑھنے سے دل روشن ہوتا ہے، ثواب ہوتا ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جو اجر جو کیفیت ان آیات کی ہے جن کے معنی ہم سمجھتے ہیں اسی طرح کی کیفیات ان پہ بھی وارد ہوتی ہیں۔ قرآن کا حصہ ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے ان کے پڑھنے کا وہی درجہ، وہی ثواب ہے فرمایا، تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ یہ آیات بہت بڑی حکمت والی کتاب کی ہیں، حکمت، دانائی یہ ہے کہ ہر کام کو اس کے صحیح موقع پر اور اس کے صحیح طریقہ پر کیا جائے یعنی نہ کام کرنے میں کوئی کمی ہو اور نہ اس کے وقت میں کوئی تقدیم و تاخیر ہو کہ وقت سے پہلے یا وقت گزر گیا تو بعد میں کیا، اوقات بھی درست ہوں اور اس کا طریقہ اور وہ کام بھی صحیح ہو اور وہ پورا پورا انجام پائے تو فرمایا یہ کتاب ایسی ہے کہ جس کے جتنے احکام ہیں وہ عقائد کے بارے میں ہیں، اعمال کے بارے میں ہیں، اس زندگی کے بارے میں ہیں، یا آخرت کے بارے میں ہیں، انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہیں صلحاء کے بارے میں ہیں یا گناہگاروں کے بارے میں ہیں۔ جو کچھ اس کتاب میں ارشاد

فرمایا وہ سراپا حکمت و دانائی اور پورا ناپا تلا ہوا ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں اور کسی غلطی کا کوئی امکان نہیں اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا عجیب بات ہے لوگ اس بات پر حیران ہوتے ہیں، کفار کو اس بات پہ تعجب ہوتا ہے اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ کہ ان میں سے ایک انسان پر ایک فرد پر ہم نے وحی نازل فرمائی اور اس کی ذمہ داری لگائی کہ وہ لوگوں کو آنے والے خطرات سے بروقت آگاہ فرمائے یعنی یہ کتاب حکمت ہے، عقل و دانش کی بات کرتی ہے اب آگے بات ہوگی کہ یہ مشرکین و کفار اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ ایک آدمی جو ہم جیسا ہی بندہ ہے کھاتا پیتا ہے، شادی کرتا ہے، گھر ہے، سوتا جاگتا ہے اور اس پر وحی نازل ہونا شروع ہوگئی۔ تو مقصد یہ ہے کہ اگر عقلاً بھی سوچیں تو اگر وحی الٰہی کیلئے کسی فرشتے کو مامور کیا جاتا تو فرشتے کو کون دیکھتا۔ اس کی بات کون سنتا یا فرشتہ کو پھر انسانی شکل میں آنا پڑتا کہ لوگ اس کی بات سنیں اور سمجھیں۔ اگر جنات میں سے کسی کو نبوت عطا کی جاتی تو جن کو کون دیکھتا، کون اس کی بات سن سکتا اور پھر جن کو انسانی شکل میں آنا پڑتا ، فرشتہ اور جن اگر انسانی شکل میں بھی آتے تو ان کی ضروریات الگ ہیں، انسان کی ضروریات الگ ہیں۔ جس طرح انسان کی غذا ہے اس طرح فرشتہ غذا کا محتاج ہی نہیں ہے۔ انسان سوتا جاگتا ہے فرشتے کو نیند بیداری کا بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ اس میں نفس ہے ہی نہیں۔ جنات میں اگر نفس ہے تو اس کی خوراک اپنی ہے۔ کس طرح کی ہے؟ ان کے اوقات کیا ہیں؟ ان کا طرز حیات کیا ہے؟ انسانوں جیسا تو نہیں ہے اور فرشتہ یا جن اگر انسانی شکل میں بھی آجاتا تو اس کی ضروریات مختلف ہوتیں۔ انسانوں کی ضروریات مختلف ہوتیں۔ اول تو انسان اس کی بات نہ سمجھ سکتے اگر سمجھتے تو پھر کہتے بھئی تم تو کر سکتے ہو تم فرشتے ہو ہم کیسے کر سکتے ہیں، یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا پھر اللہ کریم نے انسانوں میں نبوت عطا فرمائی، انسانیت کو نوازا اور اشرف المخلوقات بنایا پھر صرف انسانوں کو معرفت باری کی استعداد دی یہ استعداد نہ فرشتوں میں ہے نہ جنات میں ہے اسی لئے انسانیت شرف پا گئی کہ انبیاء علیہ السلام اس میں سے ہوئے ہیں۔ نبوت اس کو عطا ہوئی اور فرمایا پھر نبی علیہ السلام سب سے پہلا کام جو کرتا ہے وہ یہی کرتا ہے کہ انسان کو آنے والے عظیم خطرات سے بروقت مطلع اور متنبہ فرما دیتا ہے اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ لوگوں کو ڈرائیں انذار ڈرانا ہوتا ہے لیکن انذار اس طرح کا ڈرانا ہوتا ہے جیسے کوئی بندہ ایک دیوار ٹیڑھی میڑھی بنا رہا ہے کوئی سمجھدار دیکھتا ہے تو کہتا ہے بھائی اس پہ جب چھت ڈالو گے تو یہ وزن نہیں اٹھائے گی۔ یہ تمہیں، تمہارے بچوں سمیت نیچے دبا دے گی۔ یعنی جو تم کر رہے ہو یہ صحیح نہیں ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ ایک بندہ کوئی چیز کھانے لگتا ہے ایک دانا حکیم یا ڈاکٹر دیکھے تو کہتے ہیں اس سے تمہیں فوڈ پوائزننگ ہو جائے گی۔ تمہارا پیٹ خراب ہو جائے گا اور ڈاکٹروں کی نظر دنیاوی حالات تک رہتی ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ آخرت تک ہوتی ہے اللہ انہیں آخرت کے حالات سے آگاہ فرماتے ہیں اور وہ انسانوں کو وہ بتاتے ہیں کہ تمہارا جو یہ عقیدہ ہے یہ آخرت میں تمہیں جہنم میں لے جائیگا لہٰذا اس سے تم بچو اسے چھوڑ دو تمہارا جو یہ عمل ہے اس کا نتیجہ آخرت میں سزا کے طور پر آئے گا تو انجام بد سے بروقت آگاہ کرنا انذار ہے نبی علیہ السلام مبعوث ہوتا ہے کہ لوگوں کو ان خطرات سے آگاہ کر دے جن سے انہیں خود مرنے کے بعد خبر ہوگی قبر میں جائیں گے تو سمجھ آئے گی۔ برزخ میں جائیں گے تو آنکھ کھلے گی۔ لیکن اس وقت تو عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوگا توبہ کا موسم بیت چکا ہوگا۔ تو اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے رسالت انسان میں عطا فرمائی، انسانیت کو اس سے شرف بخشا۔ پھر انسان کا انسان سے استفادہ کرنا بہت سہل ہوگیا۔ فرمایا! نبی علیہ السلام لوگوں کو انجام بد سے بروقت دنیاوی زندگی میں مطلع فرماتا ہے اور دوسرا کام نبی علیہ السلام کا یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئیں انہیں بشارت دے، انہیں خوشخبری دے، ان کا ایمان لانا جو ہے یہ سچائی میں قدم رکھنا ہے، سچائی پر کھڑا ہونا ہے، یعنی اللہ کے روبرو سچائی پر جم جانا۔ یہاں اسم ذات

استعمال نہیں ہوا صفاتی اسم استعمال ہوا ہے۔ چونکہ ایمان عطا کرنا اور اعمال کی توفیق دینا، ان پر اجر عظیم عطا کرنا یہ بھی صفت ربوبیت کا تقاضا ہے اس کا تعلق بھی اللہ کی صفت ربوبیت سے ہے اس لئے یہاں صفاتی نام "رب" استعمال ہوا کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ سچائی پر جم کر اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کو بشارت دی۔ آپ تھوڑا سا غور فرمالیجئے کہ جب آدمی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں سچ کے ساتھ ہوں۔ تو پھر وہ سچ کہاں ہے سچ اللہ کے قرآن میں ہے۔ سچ اللہ کے نبی ﷺ کے ارشادات میں ہے۔ سچ اللہ کے نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہے۔ سچ اللہ کے نبی ﷺ کے احکام میں ہے۔ تو اس آیہ کریمہ سے یہ بھی سمجھ آیا کہ اگر کوئی اللہ کے ساتھ وفا کرتا ہے، نبی ﷺ کا اتباع کرتا ہے، اپنے پورے خلوص کے ساتھ کرتا ہے تو وہ سچ کے ساتھ ہے۔ اس کا ایمان درست ہے۔ اگر کوئی دعویٰ ایمان کرتا ہے اور پیغمبر ﷺ کا اتباع نہیں کرتا۔ اللہ کی اطاعت نہیں کرتا۔ فرائض ادا نہیں کرتا۔ حلال نہیں کھاتا، جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتا۔ اس کا مطلب ہے، ہم تو نہیں کہہ سکتے کہ اس کا ایمان صحیح نہیں ہے لیکن اللہ کے پاس جب جائیگا تو سوال پیدا ہو جائے گا کہ تم نے دعویٰ تو کیا تھا سچ پر کھڑا ہونے کا، کھڑے کہاں رہے؟ سوال تو یہ ہوگا کہ تم نے دعویٰ تو کیا تھا سچ کا ساتھ دوں گا۔ ایمان کیا ہے حق کو قبول کرنا حق پر قائم ہو جانا تو تم نے دعویٰ تو کیا حق پر رہنے کا تو عمر کہاں بسر کر کے آگئے۔ ساتھ کس کا دیتے رہے۔ سو امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ تمام آئمہ فقہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان اعمال کا نام ہے۔ اگر اعمال درست نہیں ہوں گے تو ایمان درست نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ایمان لایا کلمہ طیبہ پڑھا تو یہ بھی تو ایک عمل ہے اسے بھی تو قبول کرلیں۔ ایمان اعمال ہی کا نام ہے۔ تو یہ دعویٰ کرنا بھی تو ایک عمل ہے۔ لیکن پھر سب آئمہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ کوئی ایمان لاتا ہے اور صلوٰۃ ترک کر دیتا ہے۔ نمازیں ادا نہیں کرتا، اسے ایک مرتبہ کہا جائے، دو مرتبہ کہا جائے، تین مرتبہ کہا جائے، اگر پھر بھی وہ نمازیں ادا نہیں کرتا تو واجب القتل ہے۔ حکومت اسلامیہ اسے قتل کرے۔ مسلمان اس کا جنازہ نہ پڑھیں اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ یہ فقہ کا اصول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نہیں اسے قتل نہ کیا جائے قید کر دیا جائے اور موقع دیا جائے کہ وہ توبہ کر لے لیکن اگر قید میں بھی مر جاتا ہے اور نماز ادا نہیں کرتا۔ پھر وہ فرماتے ہیں اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے اب اگر ایمان کی تشریح یہ ہے تو ہم اپنے اردگرد دیکھیں تو ہم میں سے کتنے لوگ ایمان کے اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ دل کا حال تو رب جانے یہ تو ایمان کی ظاہری شرائط ہیں۔ وہ بھی کہاں پوری ہوتی ہیں۔ فرمایا! انہیں یہ بڑا عجیب لگتا ہے کہ اللہ نے ایک انسان کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور پھر وہ آخرت کی اور دنیا کی بھی وہ خبریں دیتا ہے جو بالکل سچ ہوتی ہیں۔ کافر تو کہتے تھے قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر ہے، چونکہ جادوگر ہی قوم کے پیشوا بنے ہوئے تھے۔ تو اب تو اللہ معاف فرمائے مسلمانوں کے بھی اکثر کے پیشوا جادوگر ہی بنے ہوئے ہیں۔ اب تو جادو اتنا ہوگیا ہے حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔ لیکن یہ اتنا ہوگیا ہے بہت لوگ میرے پاس بھی آتے ہیں لیکن آنے سے پہلے پانچ سات جادوگروں کے پاس سے ہو کر آتے ہیں یا خط لکھتے ہیں اتنے عاملوں کے پاس گئے تھے۔ انہوں نے یہ کہا پتہ نہیں اللہ پر لوگوں کو یقین نہیں رہا، نبوت پر ایمان نہیں رہا، کیا لینے جاتے ہیں جادوگروں کے پاس۔ فرمایا! چونکہ ان کے پیشوا جادوگر ہوتے تھے اور غیب جاننے کی ڈینگیں مارتے رہتے تھے، کوئی بات سچ ہوگئی کوئی جھوٹ ہوگئی۔ تو جب نبی علیہ السلام نے غیب سے مطلع فرمایا، آخرت کی خبریں دیں اور دنیا کے امور کے نتائج کی خبریں دیں تو کہنے لگے یہ کوئی بڑا جادوگر ہے۔ یعنی ان کے ذہن میں وہی بات کھٹک رہی تھی یہ کام جادوگر ہی کرتے ہیں۔ فرمایا! ایسی بات نہیں ہے اور یہ جو کچھ ارشاد فرماتا ہے اللہ سے علم حاصل

کر کے تمہیں آگاہ فرماتا ہے اور تمہارا پروردگار تو ایسا قادر ہے کہ تم ایک انسان کو نبی علیہ السلام بنانے پر پریشان ہو جس کے دلائل عقلی بھی جو میں نے عرض کئے اور نقلی بھی۔ نسل آدم میں انسانوں کے نبی ہونے کی بات نقلاً بھی پہلی کتابوں سے، پہلی امتوں سے، تاریخ انسانی سے بھی چلی آ رہی ہے۔ عقلاً بھی ثابت ہے۔ نقلاً بھی ثابت ہے۔ رہی عظمت الٰہی فرمایا تمہارا پروردگار تو وہ عظیم ہستی ہے کہ بے مثل و بے مثال ہستی ہے تمہارا پروردگار تو اللہ ہی ہے

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ تمہارا پروردگار تمہارا پالنہار، تمہیں پیدا کرنیوالا، وجود دینے والا، حواس دینے والا، دماغ دینے والا، رزق دینے والا، عمر دینے والا صحت و بیماری بھیجنے والا، اولاد دینے والا، رشتے دینے والا۔ وہ تو ایک ہے واحد و لاشریک اللہ اور تم ایک انسانی وجود کی بات کر رہے ہو۔ وہ تو وہ ہستی ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ اس نے سارے آسمان اور زمین چھ دنوں میں بنائے۔ آسمان کی باتیں تو جانے دیجئے ہمارے پاس وہی خبر ہے جو انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی کتابوں نے دی اور ہمیں جو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ زمین پر تو دنیا کو تحقیقات کرتے ہوئے کتنے لمبے عرصے بیت گئے۔ کب سے انسانیت آباد اور کب سے وہ اس جستجو میں لگی ہوئی ہے، ابھی تک تو آج کے جو بڑے عظیم سائنسدان ہیں کہتے ہیں کہ ہم شاید سو میں سے نو حصے بھی نہیں جان سکے یعنی روز نئی تحقیق ہوتی ہے، آج ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ ہم ایٹم بم کو سنتے ہیں کہ وہاں ایٹم بم بنا، یہاں پہلا ہیروشیما پر چلا تھا وغیرہ لیکن اس جنگ عظیم دوم سے پہلے تو کوئی ایٹم بم سے واقف نہیں تھا۔ یہ کل کی بات ہے ہماری آنکھوں دیکھی بات ہے۔ کوئی اس سے واقف نہیں تھا تو کیا عجیب عجیب چیزیں روزانہ دریافت ہوتی ہیں۔ اب پتہ نہیں کتنی ایسی ہیں جو انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ کب کون آئے گا بعد میں اور اس پر منکشف ہوگی۔ یہ تو بہت دور کی بات ہے دیکھ لیجئے ہمارے باپ دادا یہیں عمر بسر کر گئے کسی کو خبر نہیں تھی کہ ان پہاڑوں میں کوئلے کے ڈھیر ہیں اور کوئلہ یہ کروڑوں روپے کا بک سکتا ہے وہ بھیڑ بکریاں جانور چراتے رہے اور انہیں پر عمر بسر کر گئے۔ انہیں تو کوئی خبر نہیں۔ پھر ہم نے ساری عمر کام کیا۔ کوئلے کا کاروبار کیا اور کر رہے ہیں۔ آج کوئلے کے ساتھ مٹی بیچ رہے ہیں کل تک ہمیں تو کوئی خبر نہیں تھی کہ یہ فلاں مٹی ہے اور فلاں جگہ استعمال ہوتی ہے اور یہ مٹی جو ہے سونے کے بھاؤ بک رہی ہے۔ کیا کیا حکمتیں، کیا کیا خزانے چھوٹی سی زمین میں ہیں کہ کروڑوں برس گزر گئے انسانوں کو اس پر بستے، اس کو کریدتے، اس پر ہل چلاتے۔ پھر نئی چیزیں نکل آتی ہیں۔ پھر عجیب و غریب چیزیں نکل آتی ہیں۔ فرمایا! تم تو زمینی حقائق کو بھی نہیں جان سکے تو وہ تو ایسا قادر ہے جس نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو ساری خصوصیات سمیت مکمل فرما دیا اب یہاں یہ بھی الگ بات ہے وہ چاہتا تو ایک آن واحد میں، حکم دیتا سب کچھ ہو جاتا۔ فرمایا اس کے سارے کاموں میں حکمت ہے اور تدبیر شامل ہے۔ اس نے چھ دن میں انہیں ترتیب اور تدریج سے بنایا اور وہ دن کتنا لمبا تھا یہ اللہ جانے۔ ہمارا دن تو الحمدللہ آٹھ دس گھنٹے میں ختم ہو جاتا ہے، رب کے دن پتہ نہیں کس حساب کے تھے وَ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج:47) اللہ کے نزدیک یا آسمانوں پر جو دن ہے زمین پر ایک ہزار سال گزر جاتا ہے وہاں ایک دن گزرتا ہے۔ اب کون سے وہ چھ دن تھے۔ وہ ہزار سال والے تھے یا ایک دن پچاس ہزار سال کا بھی ہوگا وہ پچاس ہزار سال والے تھے۔ یہ اللہ کریم جانتا ہے اس کے دن تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے نظام کائنات میں اللہ کریم نے ایک تدریج رکھی ہے کہ چیزیں درجہ بدرجہ ترتیب پاتی چلی جاتی ہیں یہ سنت الٰہی ہے۔ ایک دانہ زمین میں ڈالتے ہیں ایک کونپل نکلتی ہے، پھر تنکے بنتے ہیں، پھر وہ پودا بنتا ہے، پھر اس پر سٹے آتے ہیں، پھر ان میں دانے بنتے ہیں، تو ایک کونپل پر پتہ نہیں کتنے سٹے ہو جاتے ہیں۔ ایک دانے کے سینکڑوں دانے ہو جاتے ہیں لیکن اپنے وقت اپنی ترتیب کے ساتھ۔ تو کفار یہ بھی کہتے تھے نا اگر ہم غا

ہیں، اگر ہم نافرمانی کر رہے ہیں تو پھر ہم پر عذاب آجائے۔ فرمایا! آجائے گا نظام کائنات میں ترتیب ہے اس کا وقت بھی آئے گا اگر تم کفر پر ہی رہے اور اسی برائی پر رہے تو اپنے وقت پر وہ بھی آجائے گا، گھبراؤ نہیں۔ اللہ کے نزدیک اندھیر نہیں ہے، ترتیب ہے، تمہیں مہلت دے رکھی ہے۔ پھر وہ اتنا کریم ہے کہ تمہارے پاس نبی علیہ السلام مبعوث فرما دیئے، تمہیں نجات کا راستہ بتا دیا، تمہیں نجات کا وسیلہ اور ذریعہ بتا دیا۔ اب اگر اس کو بھی ٹھکرا دو گے تو پھر اس ترتیب سے آہستہ آہستہ عذاب کے قریب جا رہے ہو جس کی انبیاء علیہم السلام تمہیں خبر دے رہے ہیں فرمایا اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے اور وہ ایسا قادر ہے کہ سورج، چاند، ستارے، سیارے، آسمان، آسمانی مخلوق کو ترتیب سے، آسمان میں کیا کیا بنایا ہے، یہ وہ جانے۔ زمین میں جو بے شمار سیاروں میں سے ایک چھوٹا سا سیارہ ہے اسی کو دیکھ لو اس کی خصوصیات تم کب سے لگے ہو آج تک اس کی خصوصیات کو مکمل طور پر نہیں جان سکے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سب کو جان لیا ہے تو کیا کیا حکمتیں، کیا کیا نعمتیں، کیا کیا کاریگری اس نے کہاں کہاں رکھی ہے۔ وہ ایسا قادر ہے۔ لیکن یہ یاد رکھو اس نے ہر چیز ترتیب سے بنائی ہے اور ہر کام کا نتیجہ اس کے بعد آجاتا ہے اگر تم انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرو گے نافرمانی کرو گے تو اپنے وقت پر اس کا نتیجہ بھی آجائے گا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ پھر وہ عرش پر قائم ہوا، استوٰی جلوہ افروز ہوا، اردو کا لفظ اگر استعمال کریں وہ جو معتزلہ کا عقیدہ ہوتا ہے نا وہ کہتے ہیں اللہ کریم عرش پر کرسی پر تشریف فرما ہے اور اپنے علم سے ہر جگہ حاضر ہے اس کا علم ہر جگہ موجود ہے، اسے ہر جگہ کی خبر ہے لیکن خود وہاں تشریف فرما ہے۔ اہل سنت میں علماء علم الکلام، علم تفسیر اور محدثین نے اس کے جواب دیئے ہیں اور سادہ سا کلیہ ہے فرمایا جو ہستی ایک جگہ بیٹھ جاتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی کچھ حدود ہیں، پاؤں ہے، بیٹھنے کی جگہ ہے، ایک کرسی میں سما گئی تو اس کی حدود ہیں اور جو شے حدود کے اندر ہوتی ہے محدود ہوتی ہے، وہ فانی ہے وہ معبود نہیں ہو سکتی، اللہ نہیں ہو سکتی، عبادت کے لائق نہیں ہو سکتی کہ وہ خود باقی نہیں لہٰذا اللہ کے لئے یہ عقیدہ درست نہیں ہے اللہ کریم ہر جگہ موجود ہیں ہاں اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کی تفسیر خود قرآن نے کر دی يُدَبِّرُ الْاَمْرَ اگلے یہ جو دو لفظ ہیں نا وہ اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ ہمارا نظام زمین کا، ستاروں سیاروں کا بنا کر اس کا مرکز عرش عظیم کو بنا دیا جس کی سلطنت اس کے اپنے دست قدرت میں ہے۔ جس طرح پورے ملک کا ایک سیکرٹریٹ ہوتا ہے جہاں سے سارے ملک پر حکومت کی جاتی ہے یہ اس طرح ارض و سماء کا، زمینوں آسمانوں، چاند تاروں، سورج سیاروں سب کا ایک مرکز بنا دیا جہاں سے حکومت کی جاتی ہے، سارے فیصلے ہوتے ہیں، ہر کام ہوتا ہے اور وہ سارا وحدہ لاشریک کے دست قدرت میں ہے اس کا کوئی حصہ دار نہیں، کوئی اسے رائے دینے کا حق نہیں رکھتا، کوئی سفارش نہیں کر سکتا حتیٰ کہ سفارش کرنے کیلئے بھی اس کی اجازت چاہئے، کس کی سفارش کیا سفارش کی جا سکتی ہے یہ اجازت بھی وہ دیتا ہے سفارش بھی ایسی نہیں کہ ہر بندے کی سفارش ہو جائے کون سفارش کر سکتا ہے یہ اجازت بھی اس کی ہے اور کس کیلئے کر سکتا ہے یہ اجازت بھی اس کی ہے (مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ) (البقرہ:455)

تو وہی ہستیاں سفارش کریں گی جو اس کی مقرب ہیں اور جنہیں اس نے یہ اجازت اور توفیق دی ہے اور جن کیلئے اجازت بخشی ہے ان کی ہی سفارش کریں گی ہر کس و ناکس کی نہیں۔ اب مشرکین اور منافقین کا جنازہ پڑھنے سے حضور ﷺ کو روک دیا گیا۔ کفر پر مرنے والوں کیلئے دعا فرمانے سے روک دیا گیا یا منع کر دیا گیا تو مشرکین اور منافقین کی سفارش کون کریگا، جب حضور ﷺ کو روک دیا گیا تو اور کون سفارش کرے گا۔ سو فرمایا تمہارے یہ جو عقیدے ہیں کہ ہمارا یہ بت سفارش کرے گا۔ ایک بڑا ہے ہم مانتے ہیں لیکن ہم براہ راست تو نہیں کہہ سکتے ہمارا بت

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

اتباع شہوات سے تمرد کا سبب ہونا

قولہ تعالیٰ: وَاَکْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ O اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا (التوبہ:9-8)

ترجمہ: اوران میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔ انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض متاع ناپائیدار کو اختیار کر رکھا ہے۔ ''دوسرا جملہ مستانفہ ہے بطور تعلیل جملہ سابقہ کے' اس میں دلالت ہے کہ اتباع شہوات اور میلان الی اللذات سبب ہوجاتا ہے فسق وتمرد کا۔''

آیہ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ بدکار ہیں۔ آگے' اس کی وجہ ارشاد فرمائی ہے اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا کہ اللہ کے احکام کو دنیا کی دولت پر فروخت کر دیتے ہیں۔ پیسے لے کر غلط مسائل بتاتے ہیں۔ حرام کو حلال کر دیتے ہیں۔ حلال کو حرام' جیسا کوئی فتویٰ لینا چاہے' ویسا دے دیتے ہیں۔ یہ عادت علماء یہود کی تھی۔ آج بھی اگر کوئی اس طرح کرے تو وہ اس کی پیروی کر رہا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ خواہش نفس کی پیروی اور دنیاوی لذتوں پر فریفتہ ہونا یہ گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ایک آدمی کھانے پینے میں' لین دین میں خواہشات نفس کی پیروی کرنے لگ جاتا ہے۔ جائز ناجائز مال لے لیتا ہے' حرام حلال کھا لیتا ہے۔ تو فرمایا یہ پھر صرف اس پر نہیں رکتا کہ جو لیا تھا' جو کھایا وہ حرام یا ناجائز تھا' یہ پھر آگے پوری زندگی کو گناہوں سے آلودہ کر لیتا ہے۔

بعض آثار طبعیہ کا مطلوب ہونا

قولہ تعالیٰ: وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ O وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ (التوبہ:15-14)

ترجمہ: اور بہت سے مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا۔

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاملین میں بھی امور طبعیہ رہتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے بعض آثار مطلوب بھی ہیں ورنہ صحابہ میں غیظ وغیرہ نہ ہوتا۔''

فرمایا' مومنین کے دلوں کو' سینوں کو شفا ہوگی تو وہ شے' کیا ہوگی؟ وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں سے غصے کو ختم کر دے گا۔ اس غصے سے مراد ناروا غصہ ہے۔ اس غیظ سے مراد وہ غیظ ہے جو اپنی انا کے لئے آئے یا اپنی ذات کے لئے آئے' ناجائز طور پر آئے۔ ورنہ جائز طور پر غصہ کرنا تو وصف ہے جیسا کہ مومنین کے بارے ارشاد باری ہے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (الفتح:29) کفر کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں۔ تو بندے میں انسانی وصف جو ہیں وہ تو رہتے ہیں' جو تخلیقی اوصاف ہیں' جو پیدا کئے گئے ہیں وہ تو رہتے ہیں وہ ختم نہیں ہوتے۔ ختم ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مغلوب ہوجاتے ہیں۔ یعنی کوئی انسان ایسا نہیں کہ اسے بھوک نہ لگے۔ یہ اس کا پیدائشی وصف ہے یا اسے پیاس نہ لگے۔ اسے بھوک بھی لگتی ہے پیاس بھی لگتی ہے لیکن اللہ جنہیں ہمت دیتا ہے وہ بھوک برداشت کر لیتے ہیں' حرام نہیں کھاتے یا روزہ دار سخت گرمیوں میں پیاس برداشت کرتے ہیں۔ ہم نے رمضان میں دیکھا ہے۔ شدید گرمی میں بھی روزہ رکھتے تھے اور آج کل تو زمانہ بہت آگے نکل گیا ہے' ہر چیز مشینی ہوگئی ہے۔ تب ہاتھوں سے کام کاج کئے جاتے تھے تو کاشتکار بے چارے ہلوں کا

موسم ہوتا تو ہل چلاتے۔ فصلوں کا موسم ہوتا تو فصلیں کاٹتے، بیچتے سارے کام بھی کرتے اور دن بھر روزہ بھی رکھتے۔ پیاس بھی شدت سے لگتی تھی لیکن برداشت کرتے تھے۔ تو یہ فرمانا کہ ان کے دلوں سے غصب کو نکال دے گا' تو اس کا مطلب ہے کہ کاملین میں بھی امور طبعیہ رہتے ہیں لیکن جہاں ان کا استعمال مذموم ہے' ناپسندیدہ ہے وہاں اللہ کریم انہیں اس پر غلبہ دے دیتا ہے۔ وہ اسے ناجائز استعمال نہیں کرتے۔

ثمرات کا مجاہدہ کے بعد عطا ہونا

قولہ تعالیٰ: وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا (التوبہ:16)

ترجمہ: حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو۔

''اس پر دال ہے کہ عادت الٰہیہ یہ ہے کہ مجاہدات کے بعد ثمرات عطا کرتے ہیں۔''

تو فرمایا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ثمرات کے لئے سنت الٰہیہ یہ ہے کہ مجاہدہ شرط ہے۔ مجاہدہ کیا جاتا ہے تو اس پر ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔ تو لوگوں میں یہ ایک غلط رواج ہو گیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کرنے کرانے کی کچھ ضرورت نہیں بس پیر صاحب نے فرما دیا ہے، ہو گیا ہے۔ بے شمار ایسے لوگ ملتے ہیں جنہیں نہ خود لطائف کا پتہ ہے نہ ان کے پیر کو لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے بلند منازل ہیں۔ اس لئے کہ ان کے پیر صاحب نے زبانی زبانی کہہ دیا اور انہوں نے مان لیا۔ اگر کوئی چیز ہوتی تو اس کے لئے شیخ بھی اس سے مجاہدہ کراتا اور اس کی تربیت کرتا اور پھر اس پر ثمرات مرتب ہوتے' اسے کچھ کیفیات بھی حاصل ہوتیں۔ ثمرات ہمیشہ مجاہدات پر مرتب ہوتے ہیں' یہ سنت الٰہیہ ہے۔

تعلق مع اللہ کے موانع سے تعلق قطع کرنا عجب کی مذمت

قولہ تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ الی قولہ تَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (التوبہ:24-23)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو رفیق مت بناؤ اگر وہ کفر کو بمقابلہ ایمان کے عزیز رکھیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو پسند کرتے ہو' تم کو اللہ سے اور اللہ کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں۔

''اس میں حق تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ تعلق مع اللہ بمقابلہ تعلق مع الخلق کے زیادہ رعایت کے قابل ہے۔''

آیہ کریمہ کا ترجمہ حضرت نے پورا لکھ دیا ہے اور آیت کے پہلے چند جملے لکھے ہیں۔ اس میں ہے کہ تمہارے باپ' تمہارے بھائی' تمہارے بیٹے' عزیز رشتہ دار اگر اسلام کی نسبت کفر کو پسند کرتے ہیں تو تم ان سے تعلق نہ رکھو اور آگے ہے تمہارا مال دولت' خزانے' اولاد' بیویاں اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اور اللہ کے دین پر عمل کرنے سے روکیں تو اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔ جہاد دو طرح سے ہے۔ ایک جہاد ہے جو بوقت ضرورت تلوار سے یا ہتھیاروں سے میدان جنگ میں کیا جاتا ہے۔ دوسرا جہاد بالنفس ہے' جس میں بندہ عمر بھر مصروف رہتا ہے۔ ہر لمحے خواہشات نفس کے خلاف کرتا ہے اور اللہ کی اطاعت اور اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت پر کمر بستہ رہتا ہے۔ اسے نبی کریم ﷺ نے جہادِ اکبر فرمایا ہے۔ میدان جنگ ہو' ایک بندہ اس وقت وقتی طور پر جذبات میں آ کر بھی اس میں کود پڑتا ہے۔ لیکن جہاد بالنفس ساری عمر کا جہاد ہے۔ سو جاگنا' وقت پر صلوٰۃ ادا کرنا' کمانا محنت کرنا' اس میں دیانت داری

کامیاب ہوگیا اور پولیس بھی نہیں پکڑے گی۔ تو اس طرح وہ لوگ جیسے اہل دنیا اور منکرین صوفیاء کی صحبت بھی مضر ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو تصوف و سلوک کے منکر ہوں سالک کو ان کے ساتھ بیٹھنا بھی نقصان دیتا ہے۔ یہ بالکل اس طرح ہوتا ہے کہ ہر فعل کی ایک صورت وجود میں آتی ہے جو آج تو ہمیں نظر نہیں آتی مگر مرنے پر جب آنکھ بند ہوتی ہے تو آنکھ کھل جاتی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق:22) آج تمہاری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا ہے تمہاری نظر فولادی ہوگئی ہے۔ تو موت پر بظاہر آنکھ بند ہوتی ہے' حقیقتاً آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس وقت ایک ایک عمل جو ہم نے دنیا میں کیا ہوتا ہے وہ اپنے وجود میں متشکل نظر آتا ہے۔ تو یہ دونوں باتیں کہ اللہ کے ساتھ کوئی شرک کرتا ہو یا کفر کرتا ہو تو اس پر جو نحوست یا ظلمت آتی ہے۔ اب ایک جگہ گرد وغبار اٹھ رہا ہے تو بڑے صاف کپڑے بھی پہن کر چلا جائے تو گرد اس پر بھی بیٹھے گی۔ اسی طرح جو برکاتِ صوفیاء اور سلاسل کا انکار کرتے ہیں' یہ انکار جو ہے اس میں بھی ظلمت ہوتی ہے۔ جو مستفید ہو رہا ہے اگر وہ ان کے پاس بیٹھے گا یا ان سے دوستی کرے گا تو وہ ظلمت جو ان پر آتی ہے وہ اس کے قلب پر بھی آئے گی تو نقصان اس کا ہوگا۔ اب ایک آدمی کے پاس ایک مٹکا دودھ کا ہے اور دوسرے کے پاس چند قطرے یا چلو بھر ناپاکی ہے تو نقصان مٹکے والے کا ہوگا۔ ناپاکی والے کے اس چلو بھر میں تو پہلے ہی ناپاکی ہے تو نقصان مٹکے والے کا ہوگا۔ تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ میرے مراقبات بہت بڑے ہیں میرا کچھ نہیں ہوگا' فرمایا جب ایسے لوگوں کے پاس بیٹھو گے تو ان کی نحوست تم پر پڑے گی' وہ تمہیں بھی خراب کرے گی۔ یہ اتنا مشکل کام ہوتا ہے کہ ہم چار پانچ ساتھی ہوتے تھے' شروع شروع میں اور حضرتؒ کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ تو ایک شام حضرتؒ کی مسجد میں حضرتؒ نے ہمیں مغرب سے عشاء تک ذکر کرایا اور ذکر کے بعد دعا کر چکے تو بڑے خفا ہوئے' ناراض ہوئے' پتہ نہیں تم لوگ کہاں جاتے ہو اور کیا کرتے ہو؟ جو ذکر میں مجھے بھی توڑ کر رکھ دیا اور بڑی کوفت ہوئی اور مجھ پر بہت بوجھ پڑا۔ بات ختم ہوگئی۔ حضرتؒ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ جب ہم علیحدہ بیٹھے تو وہ جو دو تین ساتھی تھے' حضرتؒ کے گاؤں کے رہنے والے تھے' وہ کہنے لگے اصل بات یہ ہے کہ آج ہماری میانوالی تاریخ تھی۔ تو ہم عدالت میں بھی گئے اور ہوٹلوں سے کھانا بھی کھایا۔ تبھی حضرتؒ جھڑک رہے تھے۔ اس کھانے کی اور عدالت میں بدکاروں کے ساتھ پھرنے کی جو نحوست تھی اس سے حضرتؒ کو بھی تکلیف ہوئی۔ حضرتؒ ہمیں جھاڑ رہے تھے تو میں نے حضرتؒ کو بتا دیا' حضرتؒ اور ناراض ہوئے۔ پھر وہ ساتھی مجھ سے لڑے کہ تم نے حضرتؒ کو کیوں بتا دیا۔ میں نے کہا تم نے مجھے کیوں بتایا' تم مجھے نہ بتاتے۔ تو یہ صحبت کا یا کھانے پینے کا اثر ہوتا ہے۔ تو فرماتے ہیں جو منکرین تصوف ہیں ان کے پاس بھی بیٹھو گے تو یہ اثرات تم پر بھی آئیں گے۔ تو اگر چار پانچ ساتھیوں کے ساتھ کتنی عظیم ہستی ذکر کرائے اسے بھی محسوس ہوتا ہے تو آپ اندازہ کریں کہ یہ جو ہزاروں لوگوں کو ذکر کرانا اور روئے زمین پر کرانا یہ اتنا آسان کام نہیں اور ہر ساتھی کو چاہیے کہ اپنی محفل کو اچھے لوگوں کے ساتھ رکھے' اچھی جگہوں پر جائے' مجبوراً جہاں جانا پڑتا ہے' بازار بھی جانا پڑتا ہے' عدالتوں میں بھی جانا پڑتا ہے تو ایک دھیان رکھے کہ وہاں یا وہ کوئی نہ کرے' فضول باتیں نہ سنے' اپنے کام سے کام رکھے اور ذکر کرتا رہے' درود شریف پڑھتا رہے یا استغفار پڑھتا رہے کہ جو گرد پڑ رہی ہے کچھ نہ کچھ اس کا مداوا ہو سکے۔ گرد پڑ رہی ہے تو بندہ کپڑے جھاڑتا رہے تو کچھ نہ کچھ کمی ہوتی ہے۔

(جاری ہے)

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور ان کے جواب

سنن عادیہ کی صورتیں

گزشتہ سے پیوستہ

13-06-2012

ویسے ہی نہیں کر سکتا مثلاً جیسے یہ مسواک کی آپ نے بات کی تو اگر کوئی مسواک نہیں کرتا برش کرتا ہے تو سنت ادا ہو گئی۔ برش نہیں کرتا انگلی سے صاف کرتا ہے تو بھی سنت ادا ہو گئی۔ یعنی سنت ادا ہو گئی۔ تو امور عادیہ میں وقت کے ساتھ ساتھ اسباب یا استعمال کی چیزیں یا ذرائع جو ہیں وہ بدلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جوتوں میں لباس میں اس کی ہیئت اس کی قیمت بدلتی رہتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اچھا لباس پسند فرمایا ہے۔ قیمتی لباس بھی آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔ یمنی چادریں حضور ﷺ کو بہت پسند تھیں۔ اچھی قیمتی چادریں ہوتی تھیں۔

اور بہت سے امور میں بھی مغالطے ہیں۔ مثلاً نکاح ہوتا ہے تو کہتے ہیں حق مہر شرعی ہونا چاہیے اور شرعی حق مہر کی تعین یہ کی جاتی ہے کہ وہ بتیس روپے آٹھ آنے ہے یہ درست نہیں سیرت پاک میں موجود ہے کہ امہات المومنینؓ میں سے ایک ام المومنینؓ جن کا نکاح حبشہ میں ہوا نبی کریم ﷺ نے شاہ حبشہ سے فرمایا اور انھوں نے پاک بی بیؓ کے ولی کو بلا کر وہاں (شاہ حبشہ کے) دربار میں اجازت لے کر خطبہ پڑھوایا نکاح ہوا تو شاہ حبشہ نے اس زمانے میں چار سو دینار انؓ کا مہر ادا کیا تھا۔ چار سو درہم نہیں چار سو دینار۔ چار سو دینار کی آج کی قیمت لگائیں تو میرا خیال ہے آدھا اسلام آباد خریدا جا سکتا ہے۔ یہ سنتیں لوگوں کو یاد ہیں کہ 32 روپے ہونا چاہیے۔ لیکن یہ یاد نہیں ہے کہ یہ حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس وقت چونکہ شاہ حبشہ حضور ﷺ کی طرف سے وکیل تھا تو اس نے حضور ﷺ کی طرف سے دیا لیکن اپنی حیثیت کے مطابق مہر دے دیا۔ تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اب کوئی چار سو دینار ہی دے لیکن اتنا تو دے جتنی اس کی حیثیت ہے اور کم از کم اس کا معیار یہ ہونا چاہیے کہ اس کے اپنے گھر کا، جس طرح سے وہ گھر چلاتا ہے گھر کا جو خرچ ہے...... تو کم از کم اتنا مہر تو دے کہ اس خاتون کا ایک مہینے کا گزر اوقات ہو۔ ورنہ تو وہ جتنے پہ راضی ہو وہ ٹھیک ہے۔ لیکن ایک جو معیار standard ہے کم از کم اتنا ہونا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ اتنا ہونا چاہیے جتنا وہ بندہ ادا کر سکے۔ اب ایک آدمی کی حیثیت دس ہزار کی ہے وہ مہر دس لاکھ لکھ دیتا ہے تو کب دے گا۔ اس طرح کی باتیں بھی فضول ہوتی ہیں۔ اور ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ اس مہر سے ڈر کر بندہ طلاق نہ دے اور رکھے۔ تو نکاح میں ایسی شرائط لگانا کہ دونوں اکٹھا رہنے پر مجبور ہو جائیں یہ درست اور جائز بات نہیں ہے۔ نکاح میں رضامندی اور مرضی شامل ہونا ضروری ہے۔ مرضی سے نکاح کریں اللہ کے نام پر دو بندے ایک دوسرے کے لئے حلال ہوتے ہیں۔ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ یہ حلت مجھے اللہ کے نام پر ملی ہے اور اللہ کے لئے مجھے اس رشتے کو نبھانا ہے۔ میاں بھی اور بیوی بھی۔ تو جو اصل چیزیں تھیں وہ جاتی رہیں۔ ان کی جگہ مصنوعی شرطیں کہ اتنا زیادہ مہر لکھوا لو تاکہ شرائط لکھوا لو۔ یہ لکھوا لو کہ طلاق ہو گی تو مکان اس کا ہو جائے گا۔ یہ ساری فضول باتیں ہیں۔ دو انسانوں کو مجبور کر کے جکڑ کر اکٹھا نہیں رکھا جا سکتا۔ نکاح کا مطلب یہ نہیں ہے۔ اور جس معاشرے میں یہ چیزیں ہوں گی وہ معاشرہ اچھا معاشرہ نہیں ہو گا۔ وہ مجبوروں کا، بے بسوں کا

ہوگا۔ دل سے نہ چاہتے ہوئے ایک دوسرے کو برا جانتے ہیں...... لیکن مجبوریاں الگ نہیں ہونے دیتیں۔ پھر وہ رہتے اور کے ساتھ ہیں برائی کہیں اور کرتے ہیں۔ تسکین کہیں اور حاصل کرتے ہیں۔ ہوس کی آگ کہیں اور جا بجھاتے ہیں۔ اس طرح سے بے شمار خرابیاں اس میں پیدا ہوتی ہیں۔ تو شریعت نے جو قوانین واصول دیئے ہیں وہ بڑے خوبصورت ہیں اور ایک بنیادی بات یاد رکھیے اسلام اللہ کا آخری دین ہے اور مکمل دین ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ یعنی زمانہ لاکھ کروٹیں بدلے، وسائل بدلیں گے، اسباب بدلیں گے، ضرورتیں نہیں بدلیں گی۔ آج ہم اگر چہ مختلف کھانے کھاتے ہیں لیکن بھوک آج بھی وہی لگتی ہے جو اس زمانے میں لگتی تھی۔ آج ہمارے بستر اور گدے مختلف ہو گئے ہیں لیکن نیند اسی طرح آتی ہے جس طرح اس زمانے میں آتی تھی۔ انسانی ضرورتیں ساری وہی ہیں۔ اولاد، گھر، کاروبار ساری ضرورتیں اس زمانے میں تھیں، آج بھی ہیں قیامت تک رہیں گی۔

زمانے میں جو تبدیلی آتی ہے اس میں ذرائع اسباب اور وسائل بدلتے رہتے ہیں۔ ایک زمانے میں لوگ اونٹوں پر گھوڑوں پر یا پیدل حج پر جاتے تھے۔ آج ہوائی جہاز پر چلے جاتے ہیں۔ تو ٹھیک ہے اللہ کریم نے ایک سہولت دی ہے اب اگر کوئی گھوڑے پر بیٹھ کر جانا شروع کردے تو وقت کا ضیاع کر رہا ہے۔ وہ شریعت کا اتباع نہیں کر رہا وقت ضائع کر رہا ہے۔ کیونکہ وقت کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی، اللہ نے بھی، قرآن نے بھی، دین نے بھی وقت کی اہمیت، اور ایک ایک لمحے کو سوچ سمجھ کر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ تبلیغ کے لئے پیدل جاتے ہیں جبکہ ہر جگہ سواری لینے کی سہولت موجود ہے۔ پوچھو تو کہتے ہیں ہر قدم پر اتنا ثواب ہے۔ میاں اللہ کریم سے آپ بالشتوں اور قدموں کا حساب نہیں کر سکتے۔ اگر آپ گاڑی پر گئے تو بھی فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا آپ پیدل چل کر گئے۔ پھر اللہ سے رشتہ محض حساب کتاب سے رکھنا اس میں آدمی ناکام ہو جاتا ہے۔ یعنی بندہ اللہ سے حساب کتاب کرنے لگ جائے کہ میں یہ کروں گا تو مجھے اتنا ثواب ملے گا یہ کروں گا تو اتنا گناہ ملے گا وہ کروں گا تو اتنا گناہ ملے گا۔

ایک حدیث میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جبرئیل امینؑ سے فرمایا، (جہاں تک مجھے یاد ہے اگر کہیں مجھ سے غلطی ہو جائے تو اللہ مجھے معاف کرے کیونکہ بہت عرصے سے میں نے دیکھی نہیں مدت پہلے جو پڑھی تھی وہ یاد ہے) تو جبرئیل امینؑ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عجیب بات سنایئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بڑی عجیب بات عرض کرتا ہوں بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جب وہ بالغ ہوا مکلف ہوا اسے شریعت کی سمجھ آئی تو اس نے لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور صرف اللہ اللہ کرنا شروع کر دی۔ جو اس وقت کے فرائض سنت تھے ادا کرتا اور ذکر کرتا رہتا۔ حتیٰ کہ وہ ایک سمندر میں ایک ٹاپو سا تھا۔ چھوٹی سی پہاڑی اور جزیرہ تھا اس میں چلا گیا۔ اکیلا وہاں رہا۔ اللہ کریم نے یہ رحمت فرمائی کہ وہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ جاری کر دیا۔ اور پھلدار درخت اُگا دیئے۔ تو فرمایا وہ شخص چار سو سال زندہ رہا۔ چار سو سال میں سوائے عبادت اور ذکر الٰہی کے کچھ نہ کیا۔ اس نے کسی سے کوئی بات تک نہیں کی۔ نہ کوئی وہاں گیا نہ وہ کسی سے ملا نہ کوئی اس کی بات ہوئی۔ تو فرماتے ہیں جب اس کی موت کا وقت آیا اس نے دعا کی کہ اے اللہ میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت آخر آ گیا ہے مجھ پر ایک مہربانی فرما کہ میں وضو کر لوں اور نوافل ادا کروں۔ جب میں سجدے میں ہوں تو ملک الموت میری روح قبض کر لے۔ اور قیامت کو میں اس حالت میں آپ کی بارگاہ میں اٹھوں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں اب بھی جب آسمان سے آتا ہوں نیچے یا نیچے سے آسمان کو جاتا ہوں تو کبھی کبھی

میری نگاہ پڑتی ہے تو اس کا وجود ابھی سلامت ہے سربسجود ہے اور وہیں ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا اس میں عجیب بات کیا ہے؟ عرض کی عجیب بات یہ ہے کہ میدان حشر کو جب وہ پیش ہوگا تو اللہ کریم بغیر حساب کتاب کے فرمائیں گے اذھبو بعبدی الی جنتی برحمتی میری رحمت اور بخشش سے میرے بندے کو میری جنت میں لے جاؤ۔ تو وہ عرض کرے گا بارالٰہی اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں۔

بارالہا تو نے پیدا کیا تو نے احسان فرمایا۔ اعضاء و جوارح دیئے تیرا احسان ہے۔ زندگی دی تیرا احسان ہے۔ خوراک، غذا، پانی کا اہتمام کر دیا تیرا احسان ہے۔ لیکن میں نے بھی چار سو سال سوائے تیرا نام لینے کے کوئی لفظ زبان سے نکالا ہے؟ اور سوائے سجدے کے کوئی دوسرا کام نہیں کیا۔ تو آپ کی بخشش تو بے پناہ ہے لیکن کچھ میری مزدوری بھی تو ہوگی، چار سو سال کی محنت کا بھی تو کوئی اثر ہوگا؟ فرمایا بالکل یہ بات تمہاری بجا ہے حکم ہوا میری نعمتوں کو اور اس کی عبادتوں کو تول لو۔

صرف بینائی کی ایک نعمت ترازو میں رکھی جائے گی جو چار سو سال اس نے دو آنکھیں استعمال کیں۔ وہ بینائی استعمال کی۔ وہ چار سو سالہ عبادت دوسرے پلڑے میں کم پڑ جائے گی۔ اس کا وزن جو چار سو سال اس نے صرف بینائی استعمال کی بڑھ جائے گا۔ اب حواس خمسہ الگ ہیں زندگی کے دوسرے لوازمات، جسمانی خصوصیات وہ الگ ہیں۔ ایک بینائی جو ہے وہ رکھی جائے گی ترازو میں تو چار سو سالہ عبادت کم پڑ جائے گی۔ تو ارشاد ہوگا اذھبو بعبدی نار بعدلی میرا بندہ حساب کا طالب ہے تو یہ پورا حق ادا کر نہیں سکا تو جتنا عرصہ یہ حساب پورا نہیں ہوتا اتنا عرصہ اسے جہنم میں بھیج دو۔ سزا بھگت لے۔ تو تب وہ عرض کرے گا بار الہا مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ میں تیری رحمت کا طالب ہوں میرے اعمال بھی تو تیری توفیق سے ہیں۔ زندگی میں نہ سہی مجھ سے آج بھول ہوگئی مجھے معاف کر دے۔ پھر ارشاد ہوگا اگر رحمت کا طالب ہے تو جنت لے جاؤ۔ اگر حساب چاہتا ہے تو اپنا بھگت لے۔ تو اب اس حدیث مبارکہ کو سامنے رکھا جائے تو بندہ کس طرح حساب کر سکتا ہے کہ جی میں نے رات اتنا ذکر کیا میں نے دن کو اتنی تلاوت کی۔ میں اتنے قدم چلا تو کیا ہوگا۔ یعنی اس طرح کی چیزیں جو شریعت میں بھی بناوٹ، تصنع و خودنمائی پیدا کر دیں یہ نقصان دہ ہیں ان کا فائدہ نہیں ہے۔ سلامتی اتباع سنت میں ہے۔ سنن عادیہ پر اگر ہو بہو عمل ہو سکے نور علی نور ہے۔ سونے سے پہلے بندہ عموماً باتھ روم سے ہو کر سوتا ہے۔ وہاں کنگھا بھی پڑا ہوتا ہے۔ شیشہ بھی ہوتا ہے اگر وہ کنگھا کرے تو کیا حرج ہے۔ کون سا اس میں تبدیلی آ گئی۔ دستار مبارک حضورﷺ کا پسندیدہ لباس تھا۔ آج بھی مسلمان پگڑی باندھتے ہیں۔ اس میں کیا تبدیلی آ گئی۔ اگر کوئی پگڑی نہیں باندھتا ٹوپی پہن لیتا ہے تو ٹھیک ہے۔ سنن عادیہ ہے کوئی ضروری نہیں ہے لیکن اگر باندھے گا تو بہت اچھی بات ہے۔ اگر ان چیزوں میں اہمیت نہ ہوتی مسلمانوں سے برصغیر چھین کر انگریز چوکیداروں اور بیروں کو پگڑی نہ پہناتے۔ یہ ہوٹلوں کے بیرے اور دفتر کے چپڑاسی، آج بھی طرہ باندھے ہوئے نظر آتے ہیں اور آپ کی اسمبلی میں بھی جو لوگ خدمت پر مامور ہوتے ہیں ان کے لباس کا حصہ ہے کہ طرہ بندھا ہوا ہو۔ یہ انگریز نے صرف مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے کیا تھا کہ جو شعار تمہارے حکمرانوں کا تھا خدمت گاروں کا بنا دیا۔ اگر آج مسلمانوں کی حکومت ہوتی تو بیروں نے اور ان خدمت گاروں نے آج hat پہن رکھی ہوتی۔ جو قوم اپنے شعار کا احترام کرنا نہیں جانتی اور دوسروں کے شعار کو اپنے سے بڑا سمجھتی ہے وہ ہمیشہ غلام رہتی ہے۔ اگر physically نہ ہو تو mentally غلام ہوگی۔ آزاد قومیں اپنے شعار کا تحفظ کرتی ہیں اور ان کے لئے حیلے بہانے نہیں ڈھونڈتیں کہ زمانہ بدل گیا ہے، اور یہ

بدل گیا ہے یہ محض فضول باتیں ہیں۔ ہاں تکلف کرنا تصنع کرنا وہ بھی جائز نہیں۔ اللہ کریم توفیق عطا فرمائیں۔

سلامتی اتباع میں ہے۔ اور کوشش کی جانی چاہیے اور یہ احساس رہے کہ ہم جو نوافل ادا کرتے ہیں یا ذکر کرتے ہیں یا تلاوت کرتے ہیں یہ بھی اس کی دی ہوئی توفیق ہے۔ اس کی دی ہوئی نعمتیں استعمال کر رہے ہیں۔ اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ اللہ توفیق دیتا ہے نیکی پر اللہ ہی مزید توفیق دیتا ہے۔ اور اگر اپنا کمال سمجھنے لگے۔ کوئی یہ سمجھے کہ میں حساب کتاب میں اللہ کریم سے اتنی چیزیں وصول کروں گا۔ تو وہ پہلے ہی اتنا وصول کر چکا ہے کہ اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم نے بھی یہی فرمایا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (البقرہ:21) لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں تخلیق فرمایا یعنی عبادت نئے اجر کے لئے نہیں ہے جو نیا اجر ملے گا وہ اس کا انعام ہے۔ عبادت تم پر اس لئے ضروری ہے کہ وہ خالق ہے تم مخلوق ہو۔ اس نے تمہیں تخلیق فرمایا۔ عدم سے وجود عطا فرمایا۔ اس وجود میں کتنی نعمتیں عطا فرمائیں۔ تمہاری ساری عبادت محض اس کا شکر ہے۔ تمہاری عبادت پر جو تم آئندہ کی امید لگائے بیٹھے ہو، وہ اس کا انعام ہے۔ تمہاری عبادت کا سبب نہیں ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:21) وہ تمہارا خالق ہے اس کا حق ہے تم مخلوق ہو تم پر واجب ہے کہ تم اس کی عبادت کرو۔ وہ معبودِ برحق ہے۔ تمہیں پیدا کیا تمہارے باپ دادا کو پیدا کیا۔ اور عبادت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں تقویٰ نصیب ہو جائے گا۔ اللہ سے تمہارا تعلق بن جائے گا۔ تمہیں محبت ہو جائے گی عشق الٰہی ہو جائے گا، اس میں وہ تمہیں نوازے گا۔ لیکن وہ عبادت کا اجر نہیں ہوگا۔ عبادت کا اجر تم لے چکے ہو۔ قرآن کریم کا جو انداز بیان ہے وہ بھی یہ ہے۔ سو بندہ حساب کتاب کر کے یا تسبیحات گن کر یا نوافل گن کر نہیں کر سکتا۔ جتنا بھی کر لے، وہ چار سو سال کرتا رہا تو ایک آنکھ کی قیمت ادا نہیں ہو سکی...... باقی کتنی نعمتیں ہم استعمال کرتے ہیں۔ ہم برسوں صحتمند رہتے ہیں دو دن بیماری آ جائے تو شور ہو جاتا ہے بیمار ہو گئے تکلیف آ گئی۔ کیا ہو گیا بھئی آپ 362 دن صحتمند رہے تین دن بخار ہو گیا تو شور ہونے لگ گیا، کیوں؟ اللہ سے دعا کرو میں کمزور ہوں مجھے بیماری سے عافیت دیں۔ ایک الگ بات ہے لیکن ناشکری کرنا یا واویلا کرنا یہ درست نہیں۔ کسی کی وفات پر دکھ ہوتا ہے یہ ایک فطری عمل ہے۔ آنکھ سے آنسو بہہ سکتے ہیں۔ لیکن ناشکری کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ دنیا کا ایک نظام ہے انبیاء اور رسل دنیا سے چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ پردہ فرما گئے۔ ایسا کون... جسے ہمیشہ رہنا ہے۔ تو یہ چیزیں سلجھنی اور سمجھنی چاہئیں اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

دعائے مغفرت

1۔ سیہان (ستراہ) سیالکوٹ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی فضل حسین ولد محمد عاطف

2۔ سیالکوٹ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی عطاء اللہ

3۔ جوہڑ چک، سیالکوٹ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی حاجی سعید احمد

4۔ ڈسکہ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی محمد سلیم چھینہ کی والدہ محترمہ

5۔ ڈھوک سہارن، منڈی بہاؤالدین سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر محمد اسلم عاجز کے والد محترم

6۔ گوجرانوالہ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی محمد یعقوب کھوکھر کے چچا جان محمد اسحاق کھوکھر

7۔ لاہور کے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی رانا جاوید کی والدہ محترمہ

8۔ لاہور کے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی عبداللطیف کی بیٹی

9۔ کوئٹہ کے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی واصف اقبال کی والدہ محترمہ

وفات پا گئے ہیں، ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ

خواتین کا صفحہ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ام فاران (راولپنڈی)

اس حالت میں آپ ﷺ کی زبان سے اکثر یہ الفاظ ادا ہوتے رہے مع الذین انعم اللہ علیہم اور کبھی فرماتے فی الرفیق الاعلی۔

وہ سمجھ گئیں کہ اب رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔ وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ خدمت اقدس میں آئے۔ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے سینہ پہ سر ٹیک کر لیٹے تھے۔ عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں مسواک تھی آپ ﷺ نے مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سمجھیں کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مسواک لے کر دانتوں میں نرم کی اور خدمت اقدس میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی حضرت عائشہؓ فخریہ کہا کرتی تھیں،

"آخر وقت میں میرا جوٹھا آپ ﷺ نے منہ میں لگایا" (سیر الصحابیاتؓ)

اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعتہً بدن مبارک کا بوجھ محسوس ہوا دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں تھیں اور روح مبارک عالم قدس میں پرواز کر گئی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے آہستہ سے سر مبارک تکیے پہ رکھا اور رونے لگیں۔ (سیر الصحابیاتؓ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ابواب مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو آنحضرت ﷺ کا مدفن بننا نصیب ہوا اور جسِ اطہر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارک کے ایک گوشہ میں ہی سپرد خاک کیا گیا۔

چونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسری شادی ممنوع قرار دی تھی، اس لئے آنحضرتؐ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۴۸ سال بیوگی کی حالت میں بسر کئے۔ ان کی شادی کے دسویں سال میں حضور ﷺ نے وفات پائی تھی۔ (سیر الصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات: آنحضرت ﷺ کی وفات کے دو سال بعد ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے یہ سایہ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور: ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت دلجوئی کی۔

جب عراق فتح ہوا تو مال غنیمت میں ایک موتیوں کی ڈبیہ بھی تھی۔ فاروق اعظمؓ نے باقیوں کی اجازت سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیج دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، "اے اللہ! آنحضرت ﷺ کے بعد ابن خطاب نے مجھ پر بڑے بڑے احسانات کئے ہیں، آئندہ مجھے ان کے عطیات کے لئے زندہ نہ رکھنا۔" (کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حد درجہ خود دار تھیں)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام ازواج کا دس دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وظیفہ بارہ ہزار تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کی سب سے زیادہ محبوب بیوی تھیں۔

عظیم ایثار: جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ کو جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا کہ مجھے حضور ﷺ کے پہلوئے مبارک میں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "یہ جگہ میں نے اپنی تدفین کے لئے رکھی ہوئی تھی لیکن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاطر آج میں اس سے دستبردار ہوتی ہوں۔" آج فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے پہلو بہ پہلو استراحت فرما ہیں۔ (عظیم خواتین اسلام)

حضرت عثمان کی شہادت اور جنگ جمل: اس دور میں امت مسلمہ میں خوفناک فتنوں اور سازشوں نے سر اُٹھایا، جن کے نتیجہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ تین دن کے بھوکے پیاسے ضعیف العمر امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے ظالموں نے جس شقاوت سے شہید کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دل اس سے خون خون ہو گیا۔

چونکہ اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ میں مقیم تھیں چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ سے جا کر ان کو ان تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے ساتھ دعوت اصلاح کے لئے بصرہ تشریف لے گئیں۔ اور لوگوں میں اصلاحی تقریریں بھی کیں۔ (جن کا ذکر آگے آئے گا)

جنگ جمل کی وجوہات: عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس جنگ کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک جماعت کا خیال تھا کہ قاتلان عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پناہ میں ہیں۔ جبکہ وہ اس بات سے انکاری تھے۔

حضرت شیخ المکرم سے استفسار پہ انہوں نے فرمایا کہ اصل اختلاف یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ تمام محاصرہ کرنے والے گروہ کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ صرف وہ شخص مارا جائے جس کی ضرب سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے ہیں لیکن یہ جنگ بالکل اچانک حادثۃً پیش آئی، پہلے سے متوقع نہیں تھی۔ ایک غلط فہمی کی بنا پر یہ افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلبہ ہوا تو انہوں نے بصد احترام حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو واپس بھیج دیا۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک اونٹ پہ سوار تھیں تو اس نسبت سے یہ جنگ جمل کے نام سے موسوم ہوئی تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔ (سیر الصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

جب یہ واقعہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یاد آتا تو پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتیں اور فرماتیں کاش میں آج سے بیس برس پہلے معدوم ہو چکی ہوتی۔ (عظیم خواتین)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اٹھارہ برس زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی سے گذرا۔ ان کا واحد مقصد قرآن وحدیث کی تعلیم تھا۔

وفات: امیر معاویہ کا اخیر زمانہ خلافت تھا۔ 58ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رحلت فرمائی۔ وصیت کے مطابق جنۃ البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں۔ قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن ابی عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر میں اتارا۔ اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ منورہ کے

گورنر تھے، اس لئے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اولاد: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے تھی جس کو انہوں نے (حضور ﷺ کی اجازت سے) متبنیٰ بنایا تھا۔

حلیہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوش رو اور صاحب جمال تھیں رنگ سرخ وسفید تھا۔

امتیازی حیثیت: بعض مخصوص فضائل کی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ بروایت حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود فرماتی ہیں کہ دس اوصاف مجھ میں ایسے ہیں جن میں میرا کوئی شریک نہیں۔

۱۔ صرف میں ہی کنوار پن میں حضور اکرم ﷺ کے نکاح میں آئی۔

۲۔ جبرائیل امین میری صورت میں حضرت محمد ﷺ سے ملے اور کہا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کرلیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے آیت برأت نازل فرمائی۔

۴۔ میرے ماں باپ دونوں مہاجر ہیں۔

۵۔ میں رسول کریم ﷺ کے سامنے ہوتی تھی اور آپ ﷺ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔

۶۔ میں اور رسول کریم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔

۷۔ نزول وحی میں صرف میں آپ ﷺ کے پاس ہوتی تھی۔

۸۔ جس شب کو میری باری تھی اس شب کو آپ ﷺ نے وفات پائی۔

۹۔ جب روح مبارک نے عالم قدس کی طرف پرواز کی تو آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

۱۰۔ میرے ہی حجرہ کو رحمۃ للعالمین ﷺ کا مدفن بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

خود رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: "عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے شوربے میں ملی روٹی کو تمام کھانوں پر۔"

فضل وکمال: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب تک حیات رہیں تمام عالم اسلام کے لئے رشد وہدایت، علم وفضل اور خیر وبرکت کا ایک عظیم مرکز بنی رہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتے ہیں:

"ہم کو کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی جس کو ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملی ہوں۔"

امام زہری جو خود سرخیل تابعین تھے فرماتے تھے:

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے پوچھا کرتے تھے" (طبقات ابن سعد)

عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، "قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔"

امام زہری کی شہادت ہے کہ، "اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہؓ میں ہوتا ہے، اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند ہیں کہ ان کا نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔

وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ انہوں نے جو دقیق اعتراضات کیے ہیں ان کو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں عین الاصابہ فی ما استدرکۃ عائشۃؓ علی الصحابہؓ میں لکھا ہے۔

مثال کے طور پر چند ایک پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توجیہات:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حدیث روایت کرتیں اس کا پس منظر، اسباب وعلل بھی بیان کر دیتیں جس کے باعث مزید تاویلوں کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ کورانہ تقلید کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کبھی پسند نہ فرمایا۔ ہمیشہ حضورﷺ کے اقوال وافعال کی حقیقی روح کو پانے کی کوشش کی۔

تین نجس چیزیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے کسی نے بیان کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ" تین چیزیں نجس ہیں، عورت، گھوڑا اور گھر۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا،"ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آدھی بات سنی، نبی پاکﷺ نے فرمایا تھا،" یہودی یہ کہتے ہیں نحوست تین چیزوں میں ہے، عورت گھوڑا اور گھر"۔

مردے پہ اہل خانہ کے رونے کا عذاب:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا، "مردے پر اس کے اہل خانہ کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔" جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پتہ چلا تو انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ، حضورﷺ ایک یہودیہ کے جنازے پر گزرے اس کے عزیز واقارب رو رہے تھے۔ حضورﷺ نے فرمایا" لوگ رو رہے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔" (یعنی وہ اپنے اعمال کی سزا بھگت رہی ہے) اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے

"لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل:15)" کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔"

لباس سے مراد: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ جب ان کا وقت وفات قریب آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور فرمایا،" حضورﷺ کا ارشاد ہے،"مسلمان جس لباس میں مرے گا اُسی میں اُٹھایا جائے گا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا،"اللہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم فرمائے، کائناتﷺ کی لباس سے مراد اعمال تھے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فوت شدگان کے سننے کے متعلق آپﷺ سے دریافت کرنے پر فرمایا،" وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس روایت کو سنا تو فرمایا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (شاید) سننے میں غلطی لگی کیونکہ قرآن میں اس کے خلاف نص صریح موجود ہے کہ:

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (سورۃ النمل :80)

وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (سورۃ فاطر:22)

ترجمہ:" بے شک آپ مردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے۔" "اور آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں (مدفون) ہیں۔"

ایک وضاحت: چونکہ (سماع موتی سے متعلق) اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ وہی ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے تو اس ضمن میں حضرت شیخ المکرم سے استفسار کرنے پہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سماع موتی سے متعلق اپنے عقیدے پر رجوع فرمالیا تھا۔ اور یہ بات مستند کتب سے ثابت ہے۔ چونکہ قرآن کی آیت میں مردہ ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو صاحب

ایمان نہیں کہ اس سے اگلی آیت اس بات پہ دلالت کرتی ہے، نیز اس ضمن میں وہ واقعہ پیش کیا جاتا ہے جس میں حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد ایک دفعہ روضہ اطہر کے ہمسائے میں کسی مکان سے کیل ٹھونکنے کی آواز آرہی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغام بھیجا تھا، "اپنے نبی کو تکلیف مت پہنچاؤ۔"

مکثرین صحابہ میں شمار: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکثرین صحابہؓ میں داخل ہیں ان سے ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں جن میں سے ۱۷۴ پر شیخین نے اتفاق کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔ (سیرت الصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

علم الکلام سے متعلق مسائل: علم الکلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں۔ چنانچہ رویت باری تعالیٰ، علم غیب، عصمت انبیاء، معراج، ترتیب خلافت اور سماع موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ موضوع سے انصاف کرتے ہیں۔

علم اسرار الدین کے متعلق مسائل: علم اسرار الدین سے متعلق مسائل بھی ان سے مروی ہیں جیسے قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب، حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحیں کیں۔

تاریخ عرب وطب: طب کے متعلق عام معلومات تھیں جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں۔ البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ عرب جاہلیت کے حالات، ان کے رسوم ورواج، ان کے انساب اور طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔ مثلاً جاہلیت کے دور میں پائی جانے والی نکاح کی مختلف قسمیں بیان کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل عرب جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ یہ فرضیت رمضان سے قبل اسلام میں بھی جاری رہا۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وجہ بھی بیان کرتی ہیں کہ ایام جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا۔ فرمایا، "اہل عرب رمضان کی فرضیت سے قبل عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے تھے کیوں کہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔"

اسلامی تاریخ: اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بعض واقعات ان سے منقول ہیں، مثلاً آغاز وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہ افک، نزول قرآن کی ترتیب، نماز کی صورتیں، آنحضرت ﷺ کے مرض الموت کے حالات، غزوہ بدر اور خندق اور قریظہ کے واقعات، غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے ضروری حالات، آنحضرت ﷺ کے اخلاق وعادات، خلافت صدیقی، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا دعویٰ میراث، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ملال خاطر اور پھر بیعت کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعے سے معلوم ہوئے ہیں۔ (سیر الصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

ادبی حیثیت: ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔ ترمذی میں موسیٰ ابن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے کہ، "میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔"

احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رواج ہے، روایت باللفظ نہایت کم ہوتی ہے۔ تاہم جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اصل الفاظ محفوظ رہ گئے پوری حدیث میں جان پڑ گئی مثلاً آغاز وحی کے بارے میں فرماتی ہیں:

فکان لا یری رویا الا جاء ت مثل فلق الصبح (صحیح بخاری)

"آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ سپیدۂ سحر کی طرح نمودار ہوجاتا تھا۔"

وحی کی کیفیت میں جب آپ ﷺ کی جبین مبارک پر عرق آ جاتا تو وہ اس طرح فرماتی ہیں، "پیشانی مبارک پر موتی ڈھلکنے لگتے تھے۔" واقعہ افک میں راتوں کو نیند نہ آنے کو اس طرح فرماتی ہیں "میں نے سرمۂ خواب نہ لگایا۔"

صحیح بخاری شریف میں ان کے حوالے سے ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے وہ جانِ ادب ہے۔ اہلِ ادب نے اس کی مفصل شرحیں اور حواشی لکھے ہیں۔ خطابت کے لحاظ سے بھی وہ ممتاز تھیں۔ جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کیں وہ اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ مثلاً ایک تقریر میں فرماتی ہیں، "لوگو! خاموش! خاموش! تم پر میرا مادری حق ہے۔ مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے۔ سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمانبردار نہیں مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ آنحضرت ﷺ نے میرے سینے پہ سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے۔ میں آپ ﷺ کی محبوب ترین بیوی ہوں۔ خدا نے مجھے دوسروں سے ہر طرح سے محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن اور منافق کی تمیز ہوئی (واقعہ افک میں)۔ اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا۔ میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غارِ حرا میں دو میں کا دوسرا تھا۔ اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے خوش ہو کر اس کو طوقِ خلافت پہنا کر وفات پائی۔ اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ڈولنے لگی تو میرا باپ ہی تھا جس نے اس کے دونوں سرے تھام لئے، جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا، جس نے یہود کی آتش افروزی سرد کر دی۔ تم اس وقت آنکھیں بند کئے نمودِ فتنہ کے منتظر تھے اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے اس نے شگاف کو برابر کر دیا، بیکار کو درست کر دیا، گرتوں کو سنبھالا دیا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کر دیا، جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان پر پہنچا دیا، جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا اور جو ایک بار پی چکے تھے ان کو دوبارہ پلایا۔ جب وہ نفاق کا سر کچل چکے، شرک کے لئے آتش جنگ مشتعل کر چکے اور تمہارے سامان کی گٹھری کو ڈوری سے باندھ چکے تو خدا نے اسے اٹھا لیا۔ ہاں میں سوالیہ نشان بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی ہوں؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں کہ اس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں۔ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لئے۔" (عقد الفرید، باب الخطیب وذکر واقعہ جمل)

شاعری: آپؓ گو شعر نہیں کہتی تھیں تاہم شاعری میں مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "ادب المفرد" میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا جس میں کم وبیش چالیس اشعار تھے۔ اس کے علاوہ دیگر دور جاہلیت کے اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے۔ جن کو مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں، جو احادیث کی کتب میں منقول ہیں۔ (سیرت الصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف خود ان علوم میں ماہر تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں۔ ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔

جن کو زیادہ قرب وتوجہ حاصل تھی، وہ عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمرۃ، صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اور معاذۃ بنت عبداللہ العدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

(سیر الصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

اخلاق وعادات: اخلاق کے اعتبار سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت بلند مرتبہ رکھتی تھیں۔

قناعت: وہ نہایت قانع تھیں اور احسان کم قبول کرتی تھیں۔ نہایت خود دار تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھانا طلب کیا اور پھر فرمایا، "میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی کہ مجھے رونا آتا ہے۔" پوچھا گیا کیوں؟ تو فرمایا، "مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں حضور ﷺ نے دنیا کو چھوڑا۔ خدا کی قسم! حضور ﷺ نے دوبار بھی روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔" (عظیم خواتین اسلام)

سخاوت: ان کا سب سے نمایاں وصف جود وسخا تھا۔ وہ بے حد فیاض، مہمان نواز اور غریب پرور تھیں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، "میں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ سخی اور کسی کو نہیں دیکھا۔"

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ یا اس سے بھی کچھ زیادہ درہم بھیجے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے طباق منگایا اور ان کو بھر بھر کر تقسیم کرنا شروع کر دیا اور شام تک سب ختم کر دیئے ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑا۔ خود روزہ دار تھیں افطار کے وقت باندی سے کہا کہ "افطار کے لئے کچھ لے آؤ"، وہ ایک روٹی اور زیتون کا تیل لائیں اور عرض کرنے لگیں کیا اچھا ہوتا ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں آج ہم روزہ گوشت سے افطار کر لیتے۔ فرمایا، "اب طعن دینے سے کیا ہوا اس وقت یاد دلاتی تو میں منگا دیتی۔"

فتوحات کا زمانہ تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں اس طرح کے نذرانے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ حضرات کی طرف سے پیش کئے جاتے تھے۔ لیکن مکانوں میں غلہ کی طرح اشرفیوں کے انبار پڑے رہتے تھے اس کے باوجود زندگی نہایت سادہ اور معمولی انداز میں گذاری جاتی تھی۔ (حکایات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ ستر ہزار درہم صدقہ کر دیئے اور اپنے کرتہ میں پیوند لگ رہا تھا۔ (طبقات)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان کے بھانجے تھے، انہیں کے نام سے وہ ام عبداللہ کنیت رکھتی تھیں۔ وہ ان سے بے حد محبت فرماتی تھیں، انہوں نے ہی گویا انہیں پالا تھا، ان کی اس قدر فیاضی سے پریشان ہو گئے کہ خود تکلیفیں اُٹھائیں اور جو کچھ آئے وہ خرچ کر دیں۔ ایک دفعہ کہہ دیا کہ "خالہ کا ہاتھ کسی طرح روکنا چاہیے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ فقرہ پہنچ گیا اس پہ سخت ناراض ہوگئیں اور ان سے نہ بولنے کی قسم کھالی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خالہ کی ناراضگی کا بہت صدمہ ہوا۔ بہت سے لوگوں سے سفارش کرائی لیکن انہوں نے اپنی قسم کا عذر فرما دیا۔ آخر جب وہ بہت ہی پریشان ہوئے تو حضور ﷺ کے ننھیال کے دو حضرات کو سفارشی بنا کر ساتھ لے گئے۔ وہ دونوں حضرات اجازت لے کر اندر گئے تو یہ بھی چھپ کر ساتھ ہو لئے۔ جب وہ دونوں پردہ کے پیچھے بیٹھ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پردہ کے پیچھے بیٹھ کر بات چیت فرمانے لگیں تو یہ جلدی سے پردہ میں چلے گئے اور جا کر خالہ سے لپٹ گئے اور بہت روئے اور خوشامد کی۔ وہ دونوں حضرات بھی سفارش کرتے رہے اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے کے متعلق حضور ﷺ کی احادیث یاد دلاتے رہے۔ مسلمان سے بولنا چھوڑنے پر جو عتاب وارد ہوتا ہے اس کی تاب نہ لا کر رونے لگیں اور آخر معاف فرما دیا۔ لیکن اپنی اس قسم کے کفارہ میں بار بار غلام آزاد کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ چالیس غلام آزاد کئے۔ (حکایات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یتیموں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں تاکہ تجارت کے ذریعے اس کو ترقی دیں۔ (موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ)

خوف خدا: اللہ کے خوف کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتیں کہ "کاش میں مٹی کا ڈلا ہوتی۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی، کاش میں درخت کا پتہ ہوتی۔ کاش میں کوئی گھاس کا تنکا ہوتی کہ تسبیح کرتی رہتی اور کوئی آخرت کا مطالبہ مجھ سے نہ ہوتا"۔ (ابن سعد)

عبادت گذاری: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت عبادت گذار تھیں۔ چاشت کی نماز برابر ادا کرتیں۔ وہ فرماتی تھیں کہ "اگر میرا باپ بھی قبر سے اُٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے تو باز نہ آؤں گی۔"

آنخضرت ﷺ کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتی تھیں۔ آنخضرت ﷺ کے بعد بھی بہت پابندی سے تہجد ادا کرتیں۔

ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھی ہو، وہ سنادیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، "آپ ﷺ کی کون سی بات عجیب نہیں تھی۔ ایک دفعہ رات کو تشریف لائے اور میرے پاس لیٹ گئے، پھر فرمانے لگے، اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں یہ فرما کر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور رونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک تک بہنے لگے۔ پھر رکوع فرمایا اور اسی طرح روتے رہے پھر سجدہ کیا اس میں بھی اسی طرح روتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر صبح کی نماز کے لئے آواز دی۔ میں نے عرض کی، "یارسول اللہ ﷺ! آپ اتنا روئے حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں، اللہ آپ ﷺ سے مغفرت کا وعدہ کر چکا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا، "تو پھر میں شکر گذار نہ بنوں۔" (حکایات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔

(سیر الصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

اکثر روزے رکھا کرتیں، حج کی شدت کے ساتھ پابند تھیں اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتی تھیں۔

غلاموں پر شفقت کرتیں۔ ان کے خرید کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ ہے۔ (شرح بلوغ المرام)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دن رات کا زیادہ حصہ عبادت میں بسر کرتیں اور باقی اوقات لوگوں کو مسائل بتانے میں صرف کر دیتی تھیں۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق نماز اشراق حضور اکرم ﷺ نے صرف ایک بار ادا کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اگر چہ میں نے کبھی رسول اکرم ﷺ کو اشراق پڑھتے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں کیونکہ آپ ﷺ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن ان پر (زیادہ) عمل نہیں کرتے تھے کہ امت پہ فرض نہ ہو جائیں۔ (صحیح مسلم)

راگ باجا تو بڑی چیز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں تھا۔ اگر سامنے سے آواز آتی تو ساربان سے کہتیں ٹھہر جاؤ تا کہ یہ آواز سننے میں نہ آئے۔ اگر سن لیتیں تو فرماتیں، ساربان تیزی سے چلو تا کہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں۔ (مسند ابن حنبل)

ایک بار حضور ﷺ نے اعتکاف کے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا الگ خیمہ نصب کروایا، اور ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج نے بھی اپنے خیمے نصب کرائے۔ (ابوداؤد)

عمل بالقرآن والحدیث: تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قرآن کا شدت سے اثر ہوتا۔ ایک بار (خشیت الٰہی کی وجہ سے) حضرت عائشہ رضیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ قرآن کی یہ آیت نہایت سخت ہے۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (سورۃ النساء، ۱۲۳)

ترجمہ: "جو کوئی برا کام کرے اسے اس کے بدلے سزا دی جائے گی۔"

فرمایا، "عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ اس کے اعمال بد کا معاوضہ ہو جاتا ہے۔"

(مزید تحقیق کیلئے) بولیں خدا تو یہ بھی کہتا ہے۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (الانشقاق:8)

"تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا، "اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں رد و قدح ہوگئی۔" (ابوداؤد)

عفو و درگزر: ان کے عفو و درگزر کا یہ عالم تھا کہ مخالفین تک کو معاف فرما دیتیں۔ مشہور صحابی شاعر حسان بن ثابتؓ نے غلط فہمی کی بنیاد پہ واقعہ افک میں حضرت عائشہؓ کی مخالفت کی۔ جس کا آپؓ کو بہت رنج تھا۔ لیکن اس کے باوجود جب حضرت حسانؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہیں معاف فرما دیا بلکہ ان کی عزت کرتیں۔

آپؓ کے بعض رشتہ داروں نے جب واقعہ افک میں شرکت کی بنیاد پر انہیں بُرا بھلا کہنا چاہا تو حضرت عائشہؓ نے سختی سے منع فرما دیا کہ "انہیں برا مت کہو یہ رسول کریمؐ کی طرف سے شعرائے مشرکین کو جواب دیتے تھے۔

انتقام تو بڑی چیز ہے آپؓ اپنے مخالفین سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں فرماتی تھیں۔ حضرت معاویہ بن خدیجؓ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ کو قتل کر دیا تھا۔ ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ "اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک (اپنے ماتحتوں کے ساتھ) کیسا رہا؟" اس نے کہا "ان میں کوئی عیب نہ تھا۔ سب لوگ ان کے مداح تھے۔ اگر کسی کا اونٹ ضائع ہو جاتا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے۔ اگر کسی کا گھوڑا مر جاتا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے۔ اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا غلام دے دیتے۔" حضرت عائشہؓ نے فرمایا، "استغفر اللہ! اگر میں ان سے اس بنا پر بغض رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے (جبکہ) میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ "اللہ! جو شخص میری امت سے ملاطفت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر اور جو شخص ان پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی کر۔"

ایثار و فیاضی: ایثار کی اعلیٰ ترین مثال تو آپؓ کا پہلوئے رسول ﷺ میں دفن ہونے کی جگہ اپنی بجائے حضرت عمرؓ کو دے دینا ہے۔ یہ فرماتے ہوئے کہ "وہ میں نے اپنے لئے محفوظ رکھا تھا۔ لیکن آج اپنے اوپر آپؓ کو ترجیح دیتی ہوں۔" (صحیح بخاری)

ایک دن روزہ سے تھیں۔ گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک مسکین عورت آئی تو انہوں نے لونڈی سے کہ "روٹی اس کو دے دو۔" اس نے کہا، "افطار کس سے کیجئے گا۔" بولیں "دے تو دو"۔ شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا۔ لونڈی کو بلا کر کہا، "یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔" (موطا امام مالکؒ)

فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ، حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ بولیں "تمہارے لڑکا ہے؟" انہوں نے فرمایا "نہیں"۔ فرمایا "اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو تم کو دے دیتی۔ حسن اتفاق سے شام ہی کو امیر معاویہؓ نے ان کے پاس روپے بھیج دیئے۔ فرمایا، "کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی۔" فوراً آدمی بھیج کر اس شخص کو بلوایا اور دس ہزار درہم دے دیئے۔ انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خریدی اور اس سے ان کے متعدد بچے ہوئے۔ (طبقات ابن سعد)

اللہ کریم ہمیں ان متبرک ہستیوں کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

بچوں کا صفحہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام

گزشتہ سے پیوستہ

تحریر: اے خان

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھ سے ان کی قوم کا ایک بندہ خطا سے مارا گیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اس کام میں آپؑ کا ساتھی بنایا اور دونوں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں فرعون کے دربار میں پہنچ گئے۔ فرعون سے سامنا ہوا تو آپؑ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر کے طور پر آیا ہوں اور پھر فرعون کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف دعوت دی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر کے جہنم میں گرنے سے اپنے آپ کو بچا لیتا لیکن اس کی سرکشی اور ہٹ دھرمی آڑے آ گئی کہ اس طرح اس کو بڑا کون مانے گا۔ فرعون نے اپنے درباری اکٹھے کر کے اُن سے مشورہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چند دن بعد جادوگروں کے مقابلے کے لیے بلوایا۔ پھر اگلے دنوں میں فرعون نے اپنی قوم کے بڑے بڑے جادوگروں کو اکٹھا کیا اور وقت مقررہ پر عوام کے سامنے یہ مقابلہ ہوا۔ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے جادوگروں نے آپؑ کو اس فن کا کوئی بہت ہی بڑا ماہر سمجھ کر پوچھا کہ پہلے کیا آپؑ اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے کہ پہلے ہم دکھائیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ پہلے آپ لوگ اپنا کام دکھائیں۔ تمام جادوگروں نے اپنی اپنی رسیاں زمین پر ڈال دیں اور لوگوں کو وہ بڑے بڑے دوڑتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے۔

بچو! آپ کو تو پتہ ہی ہوگا کہ جادو میں کسی بھی چیز کی اصل نہیں بدلتی، صرف نظر ایسا آتا ہے۔ وہ بھی اگر تختی سے جھٹک دیا جائے تو نظر بھی ویسا نہیں آتا جیسا جادو کرنے والا چاہ رہا ہوتا ہے اور ہر چیز نارمل رہتی ہے۔ آپ ﷺ کے اُمتیوں پر تو اللہ تعالیٰ نے خاص کرم فرمایا کہ آپ اول آخر درود پاک پڑھ کر معوذتین (سورة الفلق والناس) پڑھ لیں تو کسی بھی قسم کا کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔

سو جب اُن جادوگروں کی رسیاں بڑے بڑے سانپ بن کر دوڑنے لگیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی اور وہ بہت بڑا اژدھا بن گئی اور اُس نے تمام چھوٹے بڑے سانپوں کو نگل لیا۔ آپؑ نے اُسے ہاتھ میں پکڑا تو وہ پھر سے لاٹھی بن گئی۔ یہ دیکھنا تھا کہ سارے کے سارے جادوگر سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ فرعون اس پر ان سے بہت ناراض ہوا اور ان سب کے قتل کا حکم دے دیا۔ لیکن ان تمام جادوگروں نے قتل ہونا تو قبول کر لیا لیکن اپنے ایمان لانے پر قائم رہے۔ اور انہوں نے کیسا اچھا اور درست فیصلہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلنے سے بچا لیا۔ اس واقعہ کے بعد تو فرعون جیسے مجسم انتقام بن گیا اور بنی اسرائیل پر اس کے مظالم مزید بڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر طرح طرح کی ذلّت کے عذاب نازل فرمائے تاکہ وہ توبہ کریں لیکن ان کے ظلم وستم بڑھتے ہی گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر سمندر پار چلے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لیا اور سمندر کنارے پہنچ گئے۔ اتنے میں فرعون اور اس

کی قوم کو اطلاع ہوگئی کہ بنی اسرائیل وہاں سے جا چکے ہیں تو انہوں نے ان کے تعاقب کا فیصلہ کیا۔ جب فرعون اور اس کی فوج قریب پہنچ گئی اور انہوں نے بنی اسرائیلوں کو دیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی پانی پر ماریں۔ ایسا کرتے ہی سمندر میں ایک راستہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے اس راستے پر اتر کر سمندر پار کرلیا۔ فرعون اور اس کی فوج بھی اس راستے پہ اتر گئی لیکن اتنی دیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیلیوں سمیت سمندر پار اتر چکے تھے سو سمندر میں بنا ہوا یہ راستہ ختم ہوگیا اور فرعون اپنی ساری کی ساری فوج سمیت اس میں ڈوب گیا۔ ڈوبتے ڈوبتے فرعون نے اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا لیکن جب موت کے فرشتے نظر آنے لگیں تو پھر کافر کا ایمان لانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ سو تمام فرعونی سمندر میں غرق ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُن کے خوبصورت گھروں، باغوں اور چشموں کا مالک بنا دیا۔

جب بنی اسرائیل سمندر پار اترے تو ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو گائے کی شکل جیسے بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ بنی اسرائیل اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف اس قدر بڑے بڑے معجزے دیکھ چکے تھے جیسے کہ سمندر میں راستہ بنانا، فرعونیوں کا غرق ہونا، فرعونیوں سے نجات کہ انہیں تو باقی کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کا شکر ہی بجالاتے رہنا چاہیے تھا لیکن وہ اس قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمیں بھی ایسا ہی معبود بنا دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے بے حد خفا ہوئے اور فرمایا کہ "بے شک تم ایک جاہل قوم ہو"۔ (الاعراف: 138)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس دن کے لیے کوہِ طور پر جانے کا حکم دیا اور پھر بعد میں دس دن اور بڑھا کر انہیں چالیس دن کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ اپنا خلیفہ مقرر فرما کر کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات کی تختیاں (الواح) عطا فرمائیں جن پر دین سے متعلق مختلف احکامات تھے۔ جب آپ تیس دن بعد واپس تشریف نہیں لائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دس دن مزید بڑھا دیئے تھے تو آپ کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل سامری جادوگر کے پیچھے لگ گئے۔

ان لوگوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اب یہ ان لوگوں کی آزمائش تھی، لیکن باوجود حضرت ہارون علیہ السلام کے سمجھانے کے ان میں سے اکثریت گمراہ ہوگئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور سے واپس تشریف لائے تو اپنی قوم کو بت پرستی میں مبتلا پا کر بے حد ناراض اور خفا ہوئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ میں نے انہیں ایسا کرنے سے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن یہ لوگ تو مجھے قتل کرنے پر آمادہ تھے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "ان کے کفر کے سبب بچھڑا گویا کہ ان کے دلوں میں رچ بس گیا"۔ یعنی ناشکری اور کفر کے سبب جب قلب شدید بیمار پڑ جاتا ہے تو اس میں شرک کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑا آگ میں پھینک کر راکھ کر دیا اور یہ راکھ دریا میں بہا دی۔ سامری جادوگر کو دنیا میں تو یہ سزا ملی کہ اسے کوئی ایسی بیماری ہوگئی کہ کوئی اسے ہاتھ لگانے لگتا تو یہ چیختا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا اور آخرت کا عذاب اسے الگ ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم میں سے چند بظاہر نیک اور بزرگ لوگوں کا انتخاب کیا کہ وہ کوہِ طور پر جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں، لیکن یہ ایسی ٹیڑھی قوم ہے کہ وہاں جا کر ایک اور بڑا گناہ کر بیٹھے۔

کہنے لگے کہ پہلے ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں، اس پر ایک بجلی نے انہیں آ گھیرا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل نے کوہِ طور اکھاڑ کر ان پر معلق کر دیا تا کہ یہ توبہ کریں۔ لیکن یہ ایسی ٹیڑھی اور بگڑی ہوئی قوم ہے کہ پھر کسی اور بڑے گناہ کے مرتکب ہو جاتے۔

ہوا یوں کہ ان میں سے ایک آدمی کا قتل ہو گیا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ان لوگوں کے دریافت کرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام الی اللہ متوجہ ہوئے تو جواب آیا کہ یہ ایک گائے ذبح کریں۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ لوگ چپ چاپ کوئی سی بھی گائے لے کر ذبح کر دیتے لیکن انہوں نے سوال شروع کر دیئے کہ گائے کیسی ہو؟ اس کا رنگ کیا ہو؟ اس کی عمر کیا ہو؟ اب جتنے یہ سوال کرتے جاتے اسی قدر اپنے لیے سختی بڑھاتے جاتے تھے کیونکہ جب سوال کیا جاتا ہے تو اب جواب کے مطابق کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ آخر ویسی گائے تو انہیں مل گئی لیکن بہت زیادہ مال و دولت دے کر۔ پھر اُسے ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا گیا تو وہ اٹھ بیٹھا اور اپنے قاتل کا نام بتا کر پھر مر گیا۔

سرزمین مقدس میں داخل ہونے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر سرزمین "اریحا" جو بیت المقدس کی سرزمین ہے میں داخل ہو جاؤ اور کوئی پیٹھ نہ پھیرے اور نہ واپس جائے کہ ہلاکت و بربادی کے نرغے میں نہ آ جائے۔ "اریحا" کے باشندے جو عمالقہ کہلاتے تھے بڑے دھڑلے والے جنگجو لوگ تھے۔ بنی اسرائیل تو بیٹھے بیٹھے لرزنے لگے ور کہنے لگے کہ جب تک وہ لوگ اس سرزمین سے نکل نہیں جاتے ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ انہیں میں سے دو بہادر اور دلیر نوجوانوں نے ان سب کو پیش قدمی پر ابھارا اور بزدلی دکھانے سے منع کیا تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے، کہنے لگے، "اے موسیٰ (علیہ السلام)! جب تک وہ وہاں رہیں گے ہم وہاں ہرگز داخل نہ ہوں گے پس آپ جائیں آپ اور آپ کا پروردگار دونوں لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں" (سورۃ المائدہ: 24) ان کی اس نافرمانی کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ یہ قوم چالیس سال تک صحرائے تیہ میں دن رات پھرتی رہی لیکن باہر نکلنے کا راستہ نہ پاتے تھے۔ اس دوران انہیں من وسلویٰ بھی عطا کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون

قارون ایک بہت امیر آدمی تھا، اس کے پاس اس قدر خزانے تھے کہ صرف اُن خزانوں کی چابیاں اُٹھانے کے لیے بے شمار اونٹ استعمال ہوتے تھے۔ اپنے ان خزانوں میں سے اگر کوئی اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں استعمال کرنے کو کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا دیا ہے اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھی خرچ کرو تو یہ کہتا کہ یہ سب کچھ تو مجھے میرے علم و ہنر کی وجہ سے ملا ہے۔

بہت سے بے وقوف لوگ اسے دیکھ کر حسرت کرتے کہ ہمیں بھی ایسے خزانے ملیں۔ لیکن پھر ایک دن ایسا ہوا کہ جب وہ اپنے علم و ہنر اور خزانوں کے تکبر کے ساتھ اپنے گھر سے نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا، اور قیامت تک وہ زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کی ملاقات:

بچو! حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کی ملاقات کا ایک طویل واقعہ بھی ہمیں قرآن پاک میں ملتا ہے، زندگی رہی اور موقع ملا تو کبھی آپ کو وہ واقعہ بھی سنائیں گے۔

توسیع مسجد دارالعرفان منارہ

آج سے 32 سال قبل جس مسجد کا سنگ بنیاد حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا آج وہ پوری دنیا کیلئے تصوف کا مرکز بن چکی ہے، یہ وہی قافلہ ہے جسے اس کے میر کارواں نے نہایت مجاہدے سے شروع کیا اور یہ رواں دواں ہے توسیع کا سنگ بنیاد

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے

جمعۃ المبارک بمطابق 25 مئی 2012ء کو رکھا

مسجد دارالعرفان کے توسیعی منصوبے پر 39 ملین روپے لاگت آئے گی اور یہ 01 سال میں مکمل ہوگا

مسجد کے ہال میں بیک وقت 4500 نمازیوں کی گنجائش موجود ہوگی۔

اگر کوئی ساتھی اس مسجد میں اپنے ایک مصلیٰ کا ہدیہ (جو تقریباً 15 ہزار روپے پاکستانی) اندازہ کیا گیا ہے جمع کروانا چاہے تو دارالعرفان مرکز یا ضلعی امراء سے رابطہ کر سکتا ہے

منجانب: مرکزی دفتر دارالعرفان منارہ تحصیل کلر کہار ضلع چکوال

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝۲۲

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے

اکرم التراجم

قدرت اللہ کمپنی کے تیار کردہ دیدہ زیب قرآن پاک

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کا تحریر کردہ آسان اور عام فہم زبان میں اردو ترجمہ

اب آپ ہماری ویب سائیٹ www.naqashbandiaowasia.com پر بھی پڑھ سکتے ہیں

شیخ المکرم کے تازہ ترین بیانات ہر جمعہ کی شام ہماری ویب سائیٹ www.oursheikh.org پر سن سکتے ہیں

منجانب: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان ایڈمنسٹریٹر دارالعرفان منارہ 0543-562200

کانفرنس بعثت رحمت عالم ﷺ......ایوان اقبال میں

(ڈاکٹر تنویر حسین)

ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو جشن عید میلادالنبی ﷺ کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ہمیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کرنا چاہئے کہ ہم عقیدت رسول ﷺ سے آشنا ہوئے۔ ہم نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے مقام و مرتبے کا ادراک کر لیا۔ ایک لمحے کیلئے اگر ہم سوچیں کہ ہم مسلمان نہ ہوتے تو ہم عظمت رسول ﷺ سے ناآشنا رہتے ہم مقام رسالت کی تفہیم کے قابل نہ ہوتے اور کفر کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔

ماہ ربیع الاول ہمیں آمنہ کے لال کی ولادت کی یاددہانی کراتا ہے۔ اور اس ماہ مبارک کی خوشی میں ہمارے چہرے گلابوں کی طرح کھل اٹھتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو دنیا کے خوش قسمت ترین انسان سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں کملی والے حضرت محمد مصطفی ﷺ نے بہت کچھ عطا کر دیا۔ اسم محمد ﷺ انسانی قلوب کو شاد و آباد رکھتا ہے۔ کلیوں کا تبسم اسی پیارے نام کی بدولت ہے۔ خیمۂ فلک بھی اسی نام کی برکت سے ایستادہ ہے۔ ہم اگر ان نعمتوں کا تذکرہ کریں جو ہمیں پیارے نبی اکرم ﷺ کے صدقے نصیب ہوئیں تو شاید ہماری معمولی سی عقل ان نعمتوں کا تذکرہ کرنے کا حق ادا نہ کر سکے۔

بارہ ربیع الاول کا دن اپنے سوئے بھاگ جگانے کا دن ہے۔ اسلام سے قبل ہر طرف دنگا و فساد تھا۔ برائیاں ہی برائیاں تھیں۔ لوگ معمولی معمولی باتوں پر تلواریں نکال لیتے تھے۔ کہیں پانی پلانے پر جھگڑا ہوتا تھا اور کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پر۔ فساد کے جھکڑ چلنے لگے تھے۔ اندھیرے، تاریکیاں، دشمنیاں، کینہ پروریاں اور کفر و ضلالت عروج پر تھے۔ پھر کیا ہوا۔ رحمت خداوندی جوش میں آئی۔ ایک کتاب ہدایت نبی پاک ﷺ پر نازل ہوئی۔ صراط مستقیم دکھائی دینے لگا۔ دکھ درد کی ماری، شر و فساد اور ظلم و تعدی کی چکی میں پسنے والی انسانیت کو سکون کا سانس نصیب ہوا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مبارک مہینہ ہمارے لئے خوشیوں کی بہار کا سندیسہ لاتا ہے۔ یہ ایسا موسم ربیع ہے جس میں ہمیں ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب کا پیغام نصیب ہوا۔ ہم کیوں نہ خوشیاں منائیں، کیوں نہ محسن انسانیت کو یاد کریں۔ اس کی مدح و ثناء کریں۔ اس کیلئے محفلیں اور مجلسیں منعقد کریں کیونکہ یہ اس دن کی یاد ہے۔ جس دن "بعد از خدا بزرگ توئی القصہ مختصر" یعنی سب سے بڑا انسان مبعوث ہوا۔

اس حوالے سے میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے گزشتہ جمعہ 12 ربیع الاول کے دن عزیزی محمد اکرم صاحب کی طرف سے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے زیر اہتمام منعقد ہونیوالی تقریب (بمقام ایوان اقبال، لاہور) میں شرکت کرنے کی دعوت ملی۔ یہ نبی اکرم ﷺ کے اسم مبارک کی برکت تھی کہ ایوان اقبال خواتین و حضرات یعنی جوانوں اور بچوں اور بوڑھوں سے بھرا ہوا تھا۔ جب میں تقریب میں پہنچا تو ناظم اعلیٰ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ جناب عبد القدیر اعوان صاحب اسوۂ حسنہ کے حوالے سے اپنے خوبصورت خیالات کا اظہار فرما رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس مالک کائنات نے ہمیں نبی اکرم ﷺ سے رشتہ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام مخلوقات اور تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔ ہمارے پاس زندگی کے لمحات بہت عارضی ہیں۔ ہم امت محمدیہ ہیں۔ ہمارا کردار مثالی ہونا چاہئے۔ ہمیں وطن عزیز میں امن و سلامتی اور خوشحالی کیلئے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا اور بحیثیت انسان ہمیں انفرادی طور پر اپنا محاسبہ کرنا ہوگا۔ ہمیں انقلاب لانے کیلئے انسانوں کی سوچ اور ان کے کردار میں مثبت تبدیلی لانا ہوگا۔ ہمیں اپنے آپ کو اللہ کے ذکر اور قرآن مجید کے احکامات سے منسلک کرنا چاہئے۔ جب قرآن مجید ہماری زندگیوں کے نصاب میں شامل ہو جائے گا تو انقلاب آ جائے گا۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ کیا ہمارے اعمال سیرت طیبہ کے مطابق ہیں۔ تقریب کے آخر میں شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ، امیر محترم محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا ویڈیو خطاب جو حضور اکرم ﷺ کی ذات اطہر کے بارے میں تھا سنوایا گیا۔ جب کلام الٰہی کی کیفیت رسول کریم کے قلب اطہر سے مومن کے دل میں اترتی ہے تو اس سے انسان کے سارے وجود کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی فلاسفر، تاریخ دان، ادیب، بڑے بڑے دانشور اور ماہرین تھے، ان کو ذات و صفات باری تعالیٰ سے حضور اکرم ﷺ نے آشنا کرایا۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت پر مبنی ایک منفرد و بابرکت محفل اختتام پذیر ہوئی۔

بشکریہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور

shariah.Now a days a person who forsakes shariah is deemed as an accomplished person, or if a person is aged is also deemed as his excellence. People say, this man is 120 yrs old and is, therefore, a man of excellence. If a man is 160 years old it is not by his personal excellence. It is Allah's blessing that He granted him such a long stay in this world. A man's excellence lies in the fact that he acts purely for earning Allah's pleasure and cleanses his intentions from all sorts of worldly pollutions. Whether he lives long or for a shorter period, he acts to seek Divine pleasure. And it must be remembered that Divine pleasure can only be earned by devoutly obeying the Holy Prophet (SAWS). In other words we come to a conclusion that anything which defys the shariah of the Holy Prophet (SAWS) can never be the cause of invoking Divine pleasure. It can be a source of invoking Divinewrath but can never invoke His pleasure. It is strange that people attribute excellence to those who disobey shariah. They say that a person is a saint who uses abusive language, or does not get a hair cut or wear proper clothes There are people amongst the "Aulia" who become "majzoob". A "majzoob" is not a person who is born with a mental disability but is a "wali" with a weak temperament or tolerance. If sucha person progresses to the level of FanaBaqa or any such station and stops there. Now he continues his worship and effort then the Divine lights and refulgence that descend on his body is not tolerated by the sensitive zones of his mind and thus becomes useless just like the sensitive parts of an electrical appliance get burnt if the neutral is not planned in the wiring. So in terms of shariah such people are listed as lunatic as they no longer remain obliged to obey. A person who is born as mentally disabled is not a "majzoob". A "majzoob" is the one who was blessed with the company of "Aulia" and he acquired spiritual stations but could not go beyond a certain station. Once in a sitting with the eminent shaikh Allah Yar Khan (RUA) the name of Mansoor Hallaj came up. He was a sufi who had declared "Ana ulHaq" and was crucifid because of that. His body was burnt and thrown in the river. Hazrat Allah Yar (RUA) said that Mansoor was only a beginner and was in the station of FanaBaqa he could not find a sheikh who could take him beyond that station and therefore lost his mind. The eminent Shaikh said that if Mansoor was alive today I would have taken him to the next station and he wouldn't have lost his senses. Whatever he said should not have been taken seriously and he should not have been punished as he was not legally answerable. Those who awarded him death penalty made a mistake as he did not have a normal sound mind He was a "majzoob".

It is ignorance to expect any "faiz" or spiritual beneficience from a "majzoob". A person who is oblivous of his own welfare, how can he do any good to others. Hence no "faiz" can be acquired from such people infact the eminent sheikh Allah Yar (RUA) used to say that beginners on this path who are below FanaBaqa should refrain from the company of a majzoob. Since the majzoob continues to dwell in a certain station and his concentration is diverted to one point as he is oblivious of the world so the divine lights descending upon him are very radiant. If a seeker of lesser status goes in his company it is not good for this seeker as the lights he enjoys will be diverted and transferred to the majzoob. So the sheikh advised all the beginners of His sublime path to refrain from the company of majzoob.

I have hardly seen a true majzoob, mostof time it is the mentally handicapped who are deemed as saints. So the piety of "ruh" is that the actions must be blended with the sincerity of heart and the light of a firm belief. If this is done then the deeds become accepted in Divine Court and are ranked very highly.

utmost sincerity and from the core of his heart, that he was very prosperous and that Allah had been very kind to him. So these feelings are enjoyed by such people too, to a certain digree. This is also a level of the awareness of divine presence and this is the piety of "ruh". Where by one becomes conscious of the faith that whatever I do, or speak my Allah is listening. Once this feeling is present no one can tell lies or speak carelessly. But this depends on the light of faith, as the life of the "ruh" is based on this light. When this weakens it causes the "ruh" to die even inside a living body and the bodies become graves of "ruh". A saying of the Holly prophet (SAWS) highlights the fact that some people constantly act piously but sometimes utter a single sentence which is evil enoughto spoil all their piety and drag them into hell. While there are some who constantly commit sins but at one occasion utter one sentence of goodness which becomes a source of their salvation and atonement for all the sins. I personally feel that the sentence uttered by the aforesaid old man fails under the category of such noble sentences which suffice for salvation. This old man is toiling under the scorching sun, has no desires for an air conditioner or an electric fan. He does not aspire for a comfortable bed or cold water. He is grateful to his Allah from the core of his heart for giving him means of sustainence on his own. So the piety of ruh means that one appreciates the magnificience of Allah with sincerity, inside his heart and with this feeling when he does a little good deed it is rewarded immensely. However if the heart is oblivious of this feeling one may do great acts of charity, but it will only be done with the intention of gaining some worldly benefit, which one does get.

There is a famous hospital in Lahore called Gulab Devi hospital, then there isSir Ganga Ram hospital which is also very famous. It is a very noble deed to provide medical facilities to the poor and three quarters of a century has gone by since independence of Pakistan and still their names live on. Since they did not believe in Allah so-They couldn't have done it to seek His pleasure. They did it for fame and Allah gave them fame which is going on todate. So the piety of "ruh" means that whatever is done should be done with sincerity of the heart. Such an act, even small will excel in reward, Than those, great actions which are not done sincerely.

If Allah grants capacity, it must be understood that acquiring divine Cognition is the main objective of man's coming to this world. This world is not a permenent place of residence. Nobody has lived here forever, nor will anyone in the future. It is a mortal world then how can its residents be immortal? Its features are created in front of us and eradicated before our eyes. We see clouds forming and floating away. We see fruits ready to be picked and also witness when they fall down. We see trees when they are green and also see them when they wither and dry up. The flowers bloom and then wither and are reduced to dust. We witness the end result of all the features of this world daily and know that it has to come to an end one day. Man has been granted a limited stay in this world. In order to overcome all hurdles and acquire divine Cognition and the feeling of being in Divine Presence he should pursue the pleasure of Allah and employ his physical body for obeying Allah's Commands. Irfact if he sacrifices this mortal life in Allah's obedience, the Quran tells us not to call him dead as he has defeated death (refer to Ayat 154 Al_Baqra). It tells us that he is alive but we cannot comprehend the state of his life. It is above our understanding that a person is killed and his funeral prayer is offered and is buried, yet he is alive! Heis enjoying such an eternal life. This is the aim of life, and can be achieved only with in the adherence to

TRANSLATED QUESTIONS OF COMPANIONS AND ANSWERS OF HAZRAT AMEER MUHAMMAD AKRAM AWAN(MZ1946-2012

Continued from previous month

We pay the price of a certain item and the shopkeeper gives it to us. Now we cannot claim any other product with the same money.Similarly when you buy worldly fame or wealth with your piety then your claim to any eternal recompense is finished. So that is why it is said that whatever you do, make sure that you do it with the participation of your heart and "ruh" and the motive should be the attainment of divine pleasure. At times people who do not enjoy this level too have a strong faith and believe in the presence and magnificience of Allah to the extent that they do not dare to defy Allah's orders even when they are all by themselves. They too enjoy a certain degree of khuloos or purity of intention. Many years back I was travelling through the hills and it was a hot summer afternoon in the month of Ramadhan. There was a small pond of rain water and a shephard was managing his herd while they were drinking water fom the pond. The shepherd, like all villagers had kept his shawl on his head in such a way as to provide shade to his face. I saw the animals drinking water impatiently as it was very hot, then I saw the shepherd removing his shawl from his head, he then removed his turban and shoes and sat on a rock in the pond and started to perform ablution. There was nobody with him in jungle he could have drank some water. But his heart had the faith in Allah, the barkaat of His Prophet (SAWS) and the awareness of Allah's presence. He enjoyed atleast this level of spiritual piety.

We are inthe coal mining business and the area is deep down into the hills. It is very hot down there and the soil is mainly sandstone which is red in colour. When the sun rises the soil heats up instantly and cools down at night. Again it was the month of ramadhan and I was going to the mines and I saw an old farmer whom I knew. He too had a shawl over his head giving shade, to his face, and had four or five animals with him. After making them drink water fom the spring, he climbed up the hill, I was going on a jeep and was half way through to the mining area and was on a low land he saw me and waved at me asking me to stop. He came all the way down and greeted me warmly. I asked him, how he was doing.He said, praise be to Allah, he was very happy. He said two of his sons were in the army and he too was a retired soldier who got pension and he owned a small piece of land which yielded enough crop to last him for a year. He also had three or four cows so he did not have to buy milk from the market and he said it was all Allah's endowment upon him. I was forced to think that there are people who are billionaires but they forget the magnificience of Allah. But this old man who is not that well off, and is tailing in the heat with his animals and in a state of fasting. He will reach his home just in time to break his fast or maybe he is carrying a few dates in case he has to eat it on his way back from the jungle. Yet he was so happy with his life and was saying Alhamdulillah (prise to Allah) with

principle to collect donations for expenses incurred for the Deen's service. By 1969, the expenses had increased from Rs.1000 to Rs.1300 per month, which was a considerable sum in those days. When Hazrat Ameer ul Mukarram-mza started his mining business, Hazrat Ji rua also invested his small savings along with some borrowings from his close associates from Chakrala, so that the expenditures of Ahbab visiting Chakrala could be met from the profit. However, Hazrat Ameer ul Mukarram-mza made sure that regardless of any ups and downs in the business, the continuous visits of members of the Silsilah never proved an additional burden on Hazrat Ji rua.

Allah swt blessed Hazrat Ameer ul Mukarram-mza's business and in 1969 he established an office at Noor Pur Adda (bus stop) for the administration of his business. The place was quite spacious and being adjacent to the road was easily accessible. Apart from the water problem at Dhok Talyala, its jungle approach had been difficult for the new comers. Therefore, the 1969 annual Ijtema' was held from 18th June to 2nd July, at Noor Pur Adda instead of Dhok Talyala.

Munara Convention

Although Noor Pur Adda was very convenient as far as access was concerned, but it could not replicate the calm atmosphere of the forest. The Ahbab had greatly increased in numbers, and it was no longer possible to hold the Ijtema' here. Moreover, the duration of the Ijtema' was then extended to allow Ahbab from as far as Karachi and Baluchistan to attend any part of the Ijtema', at their convenience. However, one fact was established: That the future Ijtema' would be convened during the summer vacation and would always be hosted by Hazrat Ameer ul Mukarram-mza.

For the 1970 Ijtema', Hazrat Ameer ul Mukarram-mza managed to get permission to use the building of the Middle School Munara, and the Ijtema' was held here from 4th to 19th July. A small room in the centre of the building was reserved for Hazrat Ji rua. In one corner of the room an arrangement was made for his Wuzu and his bed was placed between the window and the door. Whenever Ahbab found time out from their Zikr and other activities, they gathered around Hazrat Ji rua, but due to the huge gathering, most Ahbab sat in the veranda facing the door. The daily Zikr was conducted in the large room adjacent to Hazrat Ji rua's room and in the various verandas. At sunset Hazrat Ji rua would come out into the school courtyard and the Maghrib Salah and Zikr, and the Isha Salah was held here. The ground of the courtyard was uneven, stony and littered with sharp edged stones, but during Zikr no discomfort was felt on account of the uneven ground or the pointed stones.

to be continued

Ahbab increased so rapidly, that a need arose to hold regular assemblies or conventions for their collective training and guidance.

Beginning of an Annual Ijtema'

Although Hazrat Ameer ul Mukarram-mza's residence at Dhok Talyalah was situated remotely away from the general populated areas, it was well within reach of the Ahbab, being only 5 kilometres from Adda Noor Pur, on the main Khushab-Chakwal road. After Hazrat Ji rua approved this place for general congregations, the first annual Ijtema' of the Silsilah was held here in 1961. As Hafiz Abdur Razzaq, Maulvi Sulaiman and Hazrat Ameer ul Mukarram-mza were all connected with the teaching profession, the Ijtema' was held in the summer vacation for a period of 10 days, and was attended by approximately 15 members. The solitude and the calm atmosphere of the forest with its pleasant climate and the Zikr sessions at day and night with Hazrat Ji rua, was reminiscent of the ambiance of ancient Sufi establishments. Adjacent to this building made with stones, unbaked bricks and clay mortar, was a large pond, which filled up in the rainy season and the water lasted for the whole year. Hazrat Ji rua and the Ahbab used this water for Wuzu and after filtering and cleaning by local methods; it was also used for cooking and drinking.

The 1962 Ijtema' was also held at this place, but then as Hazrat Ameer ul Mukarram-mza was transferred to Dalwal, the following two annual conventions were held at Dalwal, in which Ahbab from Munara, Chakwal, Mohra Kor Chashm, adjoining areas and as far as Lahore attended. The host on these occasions, as always, was Hazrat Ameer ul Mukarram-mza. In 1964, when he returned to Noor Pur Sethi, the Ijtema' were resumed at his Dera. Annual conventions from 1965 to 1968 were held here and the numbers of Ahbab attending the 10 to 15 days Ijtema' arrived at about 50.

When Hazrat Ameer ul Mukarram-mza started his mining business in 1965, Hazrat Ji rua not only prayed for his success but also invested a small sum in the business. The Ahbab's visits to Hazrat Ji rua's home in Chakrala had greatly increased They would often arrive on a Thursday evening, which enabled them to take part with Hazrat Ji rua in the Zikr at Maghrib and Tahajjad, and also to hear the Jum'ah Khitab (address) the next day. However, those Ahbab who were in employment would avail their Sunday leave, and in this way two separate assemblies were being held every week. Apart from this, there was a continuous stream of scholars coming to meet Hazrat Ji rua in connection with the Manazara (debates) training and other religious activities. Although Hazrat Ji rua was counted among the landlords of Chakrala, the rain-dependant land did not produce enough to meet the expenses for this continuous flow of visitors. It was against Hazrat Ji rua's

Hayat-e-Javidan Chapter 20

A Life Eternal (Translation)

CONGREGATIONS

Along with Hazrat Ji rua's teaching, preaching and debating activities, congregational assemblies had also become a way of life, but the very first assembly or congregation (Ijtema') associated with the Silsilah was held at Langar Makhdoom in 1947. In this Ijtema', along with Hazrat Ji rua, Qazi Ji rua and two other Ahbab, whose names are not known, were present.

When Qazi Ji rua built a Masjid in Laiti in deference to Hazrat Ji rua's wishes, Hazrat Ji rua sometimes came and stayed there. Hazrat Ji rua liked the calm atmosphere of the forest for Zikr and Maraqbah (meditation). When he was accompanied by his followers, an Ijtema' like atmosphere prevailed. Similarly, when Hazrat Ji rua went to Dhulli, some locals, under Haji Muhammad Khan's influence, also joined in the Zikr. Apart from this, the constant presence of Ahbab in Chakrala had also become a common occurrence.

These were the conventions of the initial period, which were neither publicized nor was any time fixed for them. Moreover, the Ahbab often expressed their desire to accompany Hazrat Ji rua on his preaching and debating tours, but keeping the modest resources of the local people in mind, Hazrat Ji rua would not allow it, but if he did them, he stipulated that everyone bring along their own food.

After Hazrat Ameer ul Mukarram-mza's association with Hazrat Ji rua in 1958, it was thought that his Dera (residence) in Dhck Talyalah in the suburb of Sethi, was more suitable for an Ijtema'. Situated in the Wanhaar Valley at a height of 3000 feet, its pleasant climate and the peaceful forest surrounding offered an ideal alternative to the blazing heat of Chakrala. Prior to the expansion of the Silsilah in 1960, Hazrat Ji rua would come here all by himself. However, Hazrat Ameer ul Mukarram-mza was, at times, joined by Malik Khuda Bakhsh, who also got the opportunity to do Zikr in Hazrat Ji rua's company.

Once the Zikr circle was formed in Chakwal, a limited level of conventions commenced here as well. Since the Ahbab were mostly local, logistics for their accommodation and food were not involved. A few that came from outside were accommodated in the Masjid. However, after 1960 when the Silsilah doors were opened to all, the number of

Jamadi ul Awal / Jamadi us Sani 1434h

April 2013

ماہنامہ
المرشد

الله
رسول
محمد

خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِيْ (الحديث)

The Best Zikr is the hidden Zikr and the best livelihood is which suffices all needs

An effort to earn an honest living, by adopting the fair means, is in itself rememberance of ALLAH (Zikr-e-Ilahi), and submission to Him. (SWT)

Hazrat Sheikh ul Mukaram
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

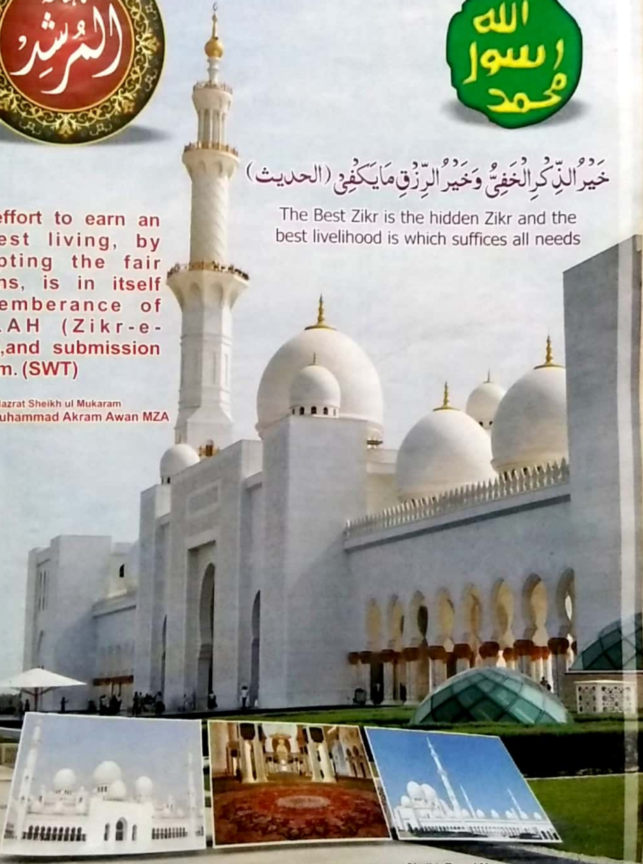

Sheikh Zayed Mosque (Abu Dhabi)

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWASIA SOCIETY-COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255